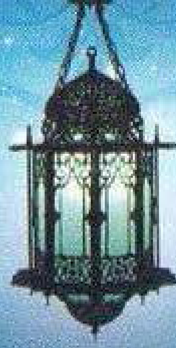
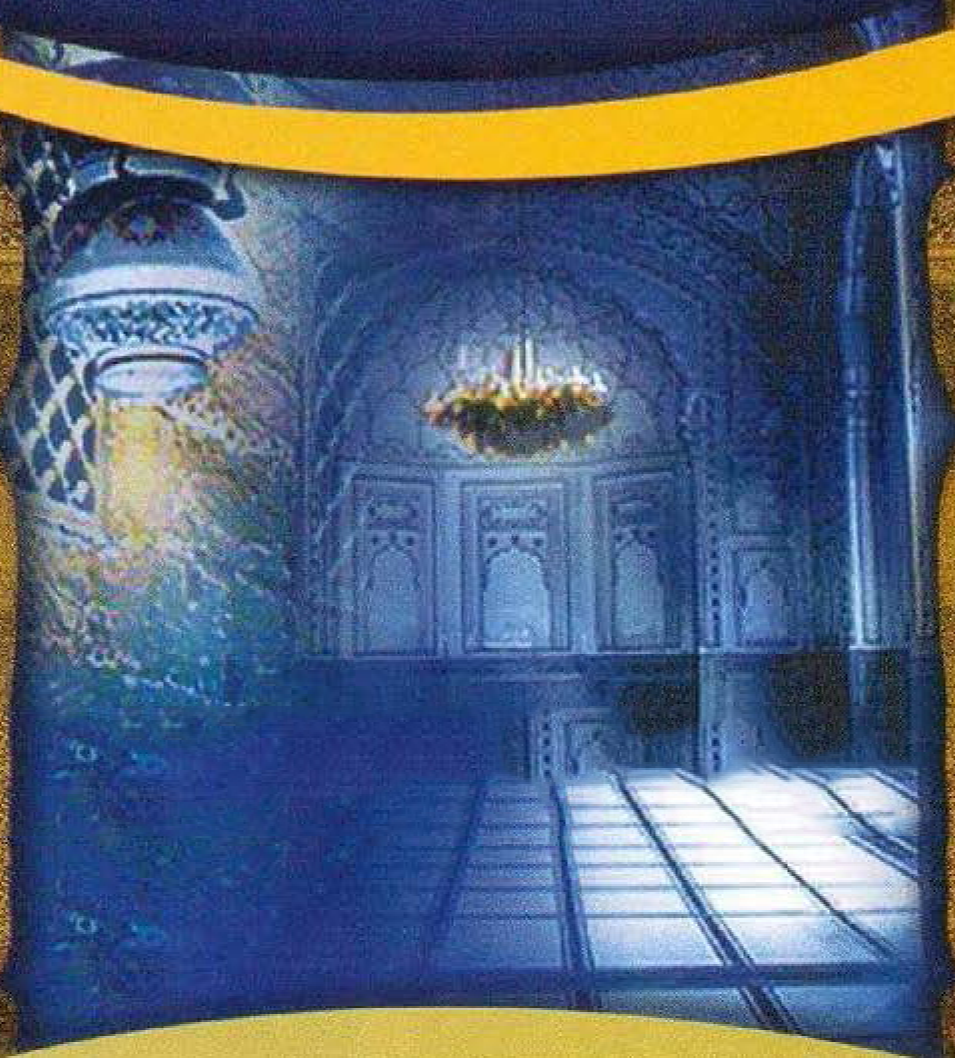


داستانِ حنفیہ



مولف: مولانا یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ

ناشر: ادارۃ العلم

اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله

داستانِ حنفیہ

احناف کی چہل رکنی کمیٹی پر مفصّل بحث

محمد یحیٰی گوندلوی



ناشر

ادارۃ العلم — شیش محل روڈ، لاہور

نام کتاب : داستان حنفیہ

مولف : مولانا محمد یحییٰ گوندلوی

کمپوزنگ : مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

ناشر : جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ

طبع : اول ۱۹۹۵ء

قیمت

ملنے کے پتے

مکتبہ عزیزیہ جامع مسجد قدس رحمان گلی نمبر ۵ لاہور

جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ ضلع سیالکوٹ

ادارہ اشاعتہ الحدیث محلہ اسلام آباد گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ

مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

النور اکیڈمی ۱۹ بلاک سرگودھا

[illegible] جامع [illegible] اہلحدیث [illegible] بازار [illegible]

نوٹ : کوئی صاحب کتاب میں اگر کوئی غلطی پائے تو اس کی اطلاع کر کے شکریہ کا موقع دے۔

ناشر

فہرس مضامین

تصدیر
افتتاحیہ 5
ابتدائیہ 13
تکمیل دین 18
صحابہ کرامؓ کا طریق 18
قیاس سے نفرت 19
تابعین کرامؓ کا طریق 20
کوفہ کی حالت 21
اصحاب الرائے و اصحاب الحدیث 21
کتب فقہ کی فنی حیثیت 23
اہل حدیث تعریف و منہج 25
بدنام کرنے کی سازش 26
محدثین کا رستہ، بہتر رستہ 28
کمیٹی کا قیام 30
طریق کار 33
اراکین کمیٹی 36
امام ابو حنیفہؒ 38
بحث تابعیت 44
مذہب 51
ایمان کی حدود و تعریف 53
اہل سنت اور مرجیہ کا اختلاف 55
نظریہ احناف 57
سلف صالحین کی شہادتیں 59
تالیفات امام 63
مناظرانہ ذوق 65
نظریہ تقلید 72
احناف کا اپنے امام سے اختلاف 72
امام صاحب محدث اور راوی کی حیثیت سے 74
محدثین کی عداوت کا شوشہ 77
ناقدین کے اسماء 78
کمیٹی کی سرپرستی 81
(۱) اسد بن عمرو کوفیؒ 83
(۲) حبان بن علی عنزیؒ 87
(۳) حسن لولوی 91
دلچسپ مناظرہ 93
عملی کمالات 94
نماز کا انوکھا نقشہ 94
سایہ نحوست 95
(۴) امام حفص بن عبدالرحمٰنؒ 98
(۵) امام حفص بن غیاثؒ 99
فقہ حنفی سے بیزاری 99
قاضی ابو یوسف کی پرخاش 100
(۶) ابو مطیع عبداللہ بن حکم 102
(۷) حماد بن زلیلؒ 107
(۸) حماد بن ابی حنیفہؒ 109
(۹) شداد بلخیؒ 112
(۱۰) داؤد طائیؒ 115
(۱۱) امام زفرؒ 118
نظریہ تقلید 120

جرح و تعدیل	121	جرح	170
(۱۲) زہیر بن معاویہؒ	122	رکنیت	172
(۱۳) قاضی شریکؒ	124	(۲۸) مکی بن ابراہیمؒ	174
احناف کے بارہ میں رویہ	124	(۲۹) مندل بن علیؒ	176
(۱۴) شعیب بن اسحاقؒ	127	(۳۰) نصر بن عبدالکریمؒ	180
(۱۵) ضحاک بن مخلدؒ	129	(۳۱) نوح بن دراجؒ	182
(۱۶) امام عافیہؒ	131	(۳۲) نوح بن ابی مریمؒ	185
(۱۷) امام عبداللہ بن ادریسؒ	133	فقہ حنفی کے بارہ میں تجزیہ	186
(۱۸) امام عبداللہ بن مبارکؒ	136	(۳۳) امام وکیعؒ	189
فقہ حنفی کے بارہ میں رائے	138	مذہب	189
امام صاحب پر جرح	141	(۳۴) ہشام بن یوسفؒ	193
(۱۹) عبدالحمید حمانیؒ	142	(۳۵) ہیثم بن بشیرؒ	195
(۲۰) علی بن ظبیانؒ	144	(۳۶) صیاح تیمیؒ	197
(۲۱) علی بن مسہرؒ	146	(۳۷) امام یحییٰ بن زکریاؒ	200
(۲۲) عمر بن میمونؒ	148	(۳۸) امام یحییٰ القطانؒ	204
(۲۳) فضل بن موسیٰؒ	150	(۳۹) قاضی ابو یوسفؒ	208
(۲۴) فضیل بن عیاضؒ	152	امام صاحب سے اختلاف	208
(۲۵) امام قاسم بن معنؒ	156	نظریہ تقلید	210
(۲۶) امام مالک بن مغولؒ	158	طرز فیصلہ	212
(۲۷) امام محمدؒ	160	فتووں کے بارہ میں موقف	215
طبعی رجحان	160	تعدیل	216
حدیث کا رد	161	جرح	218
مذہب	162	رکنیت	221
نظریہ تقلید	162	(۴۰) یوسف سمتیؒ	222
چند مناظرے	163	مجلس فقہ سازی کا انجام	224

تصدیر

از شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحمید ثاقب مدظلہ

مہتمم جامعہ اسلامیہ بھوپالوالہ (سیالکوٹ)

اسلام کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی گئی ہے۔ سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت کے نام اپنے آخری پیغام میں یہ بات ارشاد فرما کر ہمارے لیے راہ ہدایت متعین فرما دی۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی۔ (موطا امام مالک)

کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم اپنا تعلق کتاب و سنت کے ساتھ مضبوطی سے استوار رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) خلفائے راشدین تابعین عظام اور تبع تابعین کرام اس منہج پر چلتے رہے اور ان میں سے کوئی ایک بھی تقلید شخصی کا قائل نہ تھا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تاریخ تقلید پر روشنی ڈالتے ہوئے بالتصریح اس بات کا ذکر فرمایا کہ چوتھی صدی ہجری تک تقلید کا وجود تک نہ تھا۔ چار سو سال تک لوگ تقلید شخصی کو اختیار کیے بغیر صرف کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو کر مسلمان رہے۔ فروعی مسائل میں اختلافات کے باوجود امت گروہ بندی کا شکار نہیں ہوئی تقلید

کہ یہ منحوس پیدا ہوا تو امت کا شیرازہ بکھرتا چلا گیا نہ صرف یہ کہ امت ولیجہ پارہ پارہ ہوگئی بلکہ لوگ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر نفرت کا بیج بونے لگے۔ اسی تقلید کا یہ کرشمہ ہے کہ مقلدین نے اپنے امام کی تعریف اور دوسرے کی تنقیص میں جھوٹی احادیث وضع کر ڈالی فقہ حنفیہ کی یہ نام نہاد کتب بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ محدثین کی کاوش پر پانی پھیر دیا جائے اور عوام کو احادیث سے بدظن کر کے فقہ حنفیہ کا پیروکار بنایا جائے۔ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے بڑی عرق ریزی سے اس کمیٹی کا محققانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ میں نے داستان حنفیہ کا مطالعہ کیا ہے۔ بڑے مجے تلے الفاظ باحوالہ گفتگو اور شائستہ تحریر ہے۔ ہر حوالہ اصل کتاب سے پیش کیا گیا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت برادرم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور عوام کو اس سے استفادہ کی توفیق عنایت فرمائے۔

این دعا از من وجملہ جہاں آمین باد

العبد الفقیر الی اللہ الناقب **عبدالحمید** ثاقب

مہتمم جامعہ اسلامیہ بھوپالوالہ (سیالکوٹ)

Hamid
.9.3.15

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

از فاضل جلیل علامہ عطاء الرحمٰن ایم اے شیخوپوری

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

مقلدین نے کچھ عرصہ سے تقلید امام کو اتباع رسول ﷺ پر فوقیت دینے کیلئے کئی انداز سے کوششیں شروع کی ہیں۔

(۱) محدثین کو بدنام کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کی تعریف و توصیف میں جھوٹے سچے واقعات جوڑ کر لٹریچر شائع کیا جائے۔

(۲) فقہ کے غلط غیر عقلی غیر فطری مسائل کو بھی سچ کرنے کی کوشش کی جائے اور صحیح احادیث کے کیڑے نکالے جائیں۔

(۳) اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ صحیح بخاری کے بارے میں پروپیگنڈہ کیا جائے کہ اس میں بہت سی احادیث ضعیف ہیں تاکہ حدیث رسول پر اعتماد نہ رہے۔

(۴) ثابت کیا جائے کہ تقلید شخصی ہی اتحاد امت کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔

(۵) فقہی مسائل یونہی مرتب نہیں ہو گئے یا تحریر میں آ گئے تھے۔ بلکہ ثقہ لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی ترتیب دی گئی تھی جو چالیس فقہاء اور محدثین پر مشتمل تھی جنہوں نے پورے تحص سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد فقہی مسائل کو مدون کیا تھا۔

(۶) صحیح حدیث اسے کہتے ہیں جسے امام نے قبول کیا ہو۔ اس طرح کی کئی کاوشیں ماڈرن مقلدین کر رہے ہیں اور غرض یہ ہے کہ اتباع سنت کو چھوڑ کر تقلید امام اور حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر فقہ پر عمل شروع ہو جائے۔ پتہ نہیں مصنفین سیرت نعمان، مقام ابو حنیفہ، مقدمہ انوار الباری، الکلام المحکم، تانیب کوثری، مذہبی داستانیں، ہدایۃ علماء ذا عدالت میں، تاریخ الفقہ وغیرہ اپنے اس

طرزِ عمل سے دین کی کون سی خدمت بجا لانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کو جزائے خیر عطا فرمائے جو تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ حدیث رسول ﷺ اور محدثین کرام پر کسی نے بھی کسی قسم کی زبان درازی کرنے کی کوشش کی تو اس کا ایسا منہ توڑ جواب دیا جائے گا کہ اسے دوبارہ کسی جسارت کی جرات نہ ہو' بات اپنے اپنے مقدر کی ہوتی ہے کوئی اقوال رجال کا دفاع کرتا ہے تو کوئی حدیث رسول کا' کوئی فقہاء کی بات کرتا ہے' تو کوئی محدثین کی عظمت کو اجاگر کرنے کی سعی بلیغ۔ لیکن نتیجہ بحمداللہ ہمیشہ محدثین اور خدام حدیث کے حق میں نکلا ہے' ندامت اور شرمندگی دوسروں کے حصہ میں آتی ہے نہیں اعتبار تو مولانا محمد شفیع مفتی دیوبند کو دیکھ لیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اجلاس کے موقعہ پر ایک دن نماز صبح سے کچھ پہلے وہ علامہ انور شاہ کشمیری کے کمرے میں آئے تو دیکھا کہ شاہ صاحب سر پکڑے یہ فقرہ مسلسل دہرا رہے ہیں کہ

"ہائے میں نے ساری عمر ضائع کر دی"

اس فقرہ کو بار بار سننے کے بعد مفتی صاحب مرحوم نے اپنے شیخ شاہ صاحب سے کہا کہ "حضرت!" آپ کی ساری عمر قرآن و حدیث پڑھانے میں گزری ہے اگر یہ مشغلہ تضیع عمر ہے تو اس کام میں جتنے لوگ بھی مصروف ہیں ان کی بابت کیا ارشاد ہے؟ اس کے جواب میں شاہ صاحب نے نہایت درد و اخلاص سے فرمایا۔ "بھائی ساری دنیا میں دین کی اساس کھوکھلی کی جا رہی ہے اور ہم اصل خطرے کا مقابلہ کرنے کے بجائے امام ابو حنیفہ کی تائید و توثیق اور ان سے مخالف رائے رکھنے والے علماء کی تردید و تنقید میں لگے ہوئے ہیں یہ تضیع عمر نہیں تو اور کیا ہے؟

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے حدیث رسول کی مدافعت کا بیڑہ اٹھایا ہے' حدیث رسول ﷺ سے ضد کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اتباع رسول کے مقابلہ میں تقلید شخصی کو اتحاد امت کا واحد ذریعہ قرار دینا حدیث دشمنی اور ہٹ دھرمی کی بدترین شکل ہے' آج کل بعض مقلد مولوی صاحبان اس بات

پر زور دے رہے ہیں کہ اگر امت کا اتحاد درکار ہے تو ایک امام کی تقلید کا پٹہ گلے میں ڈال لو۔ یہ بات حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ معمولی سوچ و بچار اور مطالعہ سے ذرا سی دلچسپی رکھنے والا شخص بھی بخوبی جانتا ہے کہ اسلام میں اختلافات اور افتراق و انتشار تقلید ہی کی برکت سے ہوا ہے۔ تقلید شخصی کے رواج پانے سے پہلے مسائل میں اختلاف تو ضرور تھا لیکن افتراق و انتشار' ضد' ہٹ دھرمی اور تعصب نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ تقلید کی برکت سے ایک دوسرے پر فتوے لگنے شروع ہوئے۔ ایک دوسرے کی مساجد پر قبضے کیئے گئے۔ دوسرے امام کے مقلد کو اپنی مسجد میں گھسیٹا گیا۔ گالی گلوچ کا بازار گرم ہوا' تاریخ گواہ ہے کہ حنفیوں اور شافعیوں نے یہ سب گل کھلائے ہیں۔

وہ تو مختلف دو اماموں کے مقلد تھے۔ پاکستان میں صرف ایک امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں' بریلوی اور دیوبندی سب حنفی کہلاتے ہیں لیکن ماشاء اللہ تقلید کی برکت سے بڑی پرسکون اور اتحاد و اتفاق کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ "تقلید ----- اتحاد کا واحد ذریعہ ہے" ماڈرن مقلدین کی کتابوں سے اس اتحاد کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے ان مبارک کتابوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمالیں۔ زلزلہ' دھماکہ' طمانچہ' برق آسمانی بر فتنہ شیطانی' قہر خداوندی بر دھماکہ دیوبندی' وغیر ذالک من الخرافات۔

مقلدین کے اتحاد کے چند نمونے (صرف ہیڈنگز کی شکل میں)

بانی مدرسہ دیوبند مولوی گنگارام کی زد میں۔ بانی مدرسہ دیوبند کا چورن۔ مولوی گنگا رام کی تاویل اپنے منہ پر طمانچہ۔ تخت پر وعظ اور امام الانبیاء علیہ السلام نیچے۔ معاذ اللہ قرآن پر پیشاب۔ حضور علیہ السلام نے اردو زبان دیوبند سے سیکھی۔ معاذ اللہ تھانوی کی مریدنی سے حضور علیہ السلام کا بغل گیر ہونا۔ سیدہ فاطمہ نے سینے سے چمٹا لیا۔ صفیں بچھانا اور تھانوی کی اقتداء میں تراویح پڑھنا۔ رسول اللہ ﷺ

سے کھانا پکوانا۔ تھانوی کلمہ اور تھانوی درود۔ وغیرہ وغیرہ۔

تقلید کی برکت سے اتحاد تو درکنار' بے شرمی کی انتہاء ــــــ "قہر خداوندی بر دھماکہ دیوبندی" صفحہ ۲۳۶ پڑھیں اور اس اتحاد کی داد دیں۔

زلزلہ نامی کتاب پر دیوبند کے رسالہ "تجلی" کے مدیر مولانا عامر عثمانی کے تبصرہ کے اقتباسات سے پہلے اس کے کچھ ہیڈنگز ملاحظہ ہوں' وفات کے بعد مولوی قاسم نانوتوی کا جسم ظاہر کے ساتھ دیوبند میں آنا۔ مولوی نانوتوی صاحب کا خدائی تصرف۔ اپنی تکذیب کی شرمناک مثال۔ دیوبندی مکتبہ فکر کی بنیاد ہلا دینے والی ایک کہانی۔ اپنے بزرگوں کیلئے ایک شرمناک دعویٰ۔ عقیدہ توحید کے ساتھ تصادم کا ایک واقعہ۔ بیک وقت متعدد مقامات پر تھانوی صاحب کی موجودگی کا ایک حیرت انگیز واقعہ۔ ایک اور ایمان شکن واقعہ۔ مذہب سے انحراف کی ایک شرمناک کہانی۔

زلزلہ نامی کتاب پر مولانا عامر عثمانی کا تبصرہ۔ کچھ اقتباسات

ہم اگرچہ حلقہ دیوبندی ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے۔ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامتہ الدھر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا۔ جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔ ہم اگر عام روش کے مطابق اندھے مقلد اور فرقہ پرست ہوتے تو بس اتنا ہی کر سکتے تھے کہ اس کتاب کا ذکر ہی نہ کریں۔ لیکن خدا بچائے فرقہ پرستی اور گروہ بندی کی باطل ذہنیت سے ہم اپنا دیانت دارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علمائے دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام اس کتاب میں دلیل و شہادت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے وہ اٹل ہے۔

یہ دیوبندیوں کے لٹریچر کی خاصی مشہور کتابیں ــــــ ارواح ثلاثہ' تذکرۃ

الرشید‘ سوانح قاسمی اشرف السوانح‘ الجمعیتہ کا شیخ الاسلام نمبر انفاس قدسیہ وغیرہ ان کی صورتیں دیکھنے اور کہیں کہیں سے پڑھنے کا شاید ہمیں بھی اتفاق ہوا ہو۔ لیکن یہ ”زلزلہ“ ہی سے منکشف ہوا کہ ان میں کیسے کیسے عجوبے اور کیسی کیسی ان کہنیاں محفوظ ہیں۔ استغفراللہ ثم استغفراللہ واقعہ یہ ہے کہ فحش ناول بھی اپنے قارئین کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا ان کتابوں نے پہنچایا ہو گا۔ ان کے باقی اوراق پر چاہے حقائق و معارف کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں لیکن جو اقتباسات ”زلزلہ“ میں نقل کئے گئے ہیں وہ بجائے خود اس کیلئے کافی ہیں کہ سادہ لوح قارئین کی دھجیاں اڑا دیں اور خدا پرستی کی جگہ انہیں بزرگ پرستی کا ایسا سبق دیں۔ جس کے زہر کا کوئی تریاق نہ ہو۔

بات تلخ ہے مگر سو فیصدی درست کہ دیوبندی مکتب فکر کے خمیر میں بھی اندھی تقلید اور مسلکی تعصبات کی اچھی خاصی مقدار گوندھی ہوئی ہے اس مکتب کا کم و بیش ہر عالم پہلے دن سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر کسی نے قرآن کو پوری طرح سمجھا ہے تو وہ ہمارے فلاں شیخ التفسیر ہیں۔ اگر علم الحدیث کی تہ تک کوئی پہنچا ہے تو وہ ہمارے فلاں شیخ الحدیث ہیں۔ اگر ولایت نبوت اور طریقت و تصوف کے اسرار و معارف پر کسی نے عبور حاصل کیاہے تو ہمارے فلاں فلاں شیوخ ہیں۔اس خوش فہمی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی دلوں میں جاگزیں کر لیاگیا ہے مگر محفوظ کی اصطلاح کا سہارا لے کر وہ عملاً انہیں معصوم ہی تصور کئے ہوتے ہیں۔ ان کا پختہ خیال ہے کہ ان کا ہر بزرگ زہد و تقویٰ کے علاوہ عقل و دانش میں بقراط و ارسطو سے کسی طرح کم ہرگز نہیں۔

تبصرہ نگار مولانا عامر عثمانی نے دیوبندیوں کو مشورہ دیا ہے کہ بریلویوں سے جان چھڑانے کی ایک ہی صورت ہے فتاوی رشیدیہ‘ فتاوی امدادیہ‘ بہشتی زیور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دے دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔

مفید ترین مشورہ اور کتاب و سنت کی بالادستی کا اعلان

اس طویل تبصرے کے بعد ہم فاضل مصنف سے بڑے دوستانہ پیرائے میں یہ گزارش کریں گے کہ اگر ممکن ہو تو وہ کسی وقت دیوبندیت اور بریلویت وغیرہ کے سارے تخیلات کو ایک طرف رکھ کر خالص طلب حق کے جذبہ دین و شریعت پر غور کریں۔ یہ سمجھنا کہ فلاں مکتب سرتاسر باطل ہے اور ہمارا مکتب فکر الف سے یا تک برحق ہے آدمی کو بے میل حقیقت تک نہیں پہنچاتا۔ اسلام و ایمان کے سرچشمے قرآن و سنت ہیں نہ کہ کسی شیخ کے اقوال و اعمال۔ اس سے قبل کہ ہم شاہ عبدالقادر جیلانی یا خواجہ اجمیری یا فلاں فلاں اولیاء و اقطاب کے حال و قال پر وجد کریں اور عقائد کیلئے ان سے دلائل و قرائن نکالیں ہمیں خالی الذہن ہو کر اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنانا چاہئے۔

حضرات! ہمارا نقطہ نظر بھی یہی ہے اور یہی ہماری دعوت ہے کہ ہمیں خالی الذہن ہو کر اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنانا چاہئے اور اس ضمن میں مختلف بہانوں سے حدیث رسول کی مخالفت اور توجیہات کے سہارے فقہ حنفی کو ترجیح دینے سے گریز کرنا چاہیئے بلکہ اپنی انا اور ضد کو چھوڑ کر صحیح حدیث کو بطور مسلک و مذہب اپنا لینا چاہیئے۔

زیر مطالعہ کتاب "داستان حنفیہ" میں مولانا محمد یحییٰ صاحب گوندلوی نے اس نام نہاد چالیس رکن کمیٹی کا پوسٹ مارٹم کیا ہے، جس کے ذمہ ماڈرن مقلدین نے یہ ڈیوٹی لگائی ہے کہ انہوں نے فقہی مسائل کو پورے غوروخوض کے بعد مدون کیا تھا گویا حدیث رسول کی مخالفت ان چالیس علماء و مجتہدین کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا گوندلوی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کمیٹی صرف کاغذی کاروائی، مکمل طور پر فرضی اور نام نہاد ہے۔ ان چالیس میں کئی ایسے بزرگوں کا نام اس کمیٹی میں شامل کیا گیا ہے جو کمیٹی بننے کے وقت پیدا ہی نہیں

ہوئے تھے یا شیر خوار تھے۔ یا بالکل کمسن بچے تھے۔ بعض ایسے محدثین کا نام بھی کمیٹی میں شامل کیا گیا ہے جو ذہنی طور پر فقہ حنفیہ کے سخت مخالف تھے۔ مولانا' ایک ماہر سرجن کی حیثیت سے اس اپریشن میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں' آپ کتاب کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ لگا لیں گے بہرحال ان کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ وہ مریض کو تڑپتا دیکھ کر ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کر پائے ان کی دلی خواہش ہے کہ مقلدین آپس میں لڑ جھگڑ کر' گالی گلوچ کرنے' قبروں میں پہنچے ہوئے بزرگوں کے متعلق بازاری زبان استعمال کرنے اور مردوں کی قبریں اکھاڑنے کے بعد جس نتیجہ کو تسلیم کرنا ہے وہ اس دھینگا مشتی سے پہلے ہی تسلیم کر لیں' حدیث رسول ﷺ کو اس کا جائز مقام دیں' خالی الذہن ہو کر اللہ اور رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنا لیں۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا محمد یحییٰ صاحب گوندلوی کی پرخلوص محنت کو شرف قبولیت سے نوازیں (آمین)

عطاء الرحمٰن ناظم جامعہ محمدیہ

توحید آباد شیخوپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ والصلٰوۃ والسلام علی خیر البشر وافضل الامم وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔ وبعد۔

کچھ عرصہ سے قیاس جلی کو حدیث صحیح پر مقدم رکھنے والوں نے پاسبان دین اور محافظین اسلام کو طرح طرح کے الزامات دینے میں شدت اختیار کر لی ہے ان کی پوری سعی اور کوشش یہی ہے کہ محدثین کرام کو جس طرح بھی ہو سکے بدنام کیا جائے اور ان پر عدم تفقہ کا طعن لگا کر ان کی عظمت کو داغدار کیا جائے۔ اس سلسلہ کا عربی اور اردو زبان میں کافی لٹریچر ہمارے سامنے موجود ہے۔ جس میں تانیب کوثری' مذہبی داستانیں' ھدایہ علماء کی عدالت میں' تاریخ الفقہ از صارم اور امام ابوحنیفہ کی سوانح اور ان کے فضائل میں لکھی گئی بہت سی کتابیں جن میں سیرت نعمان' مقام ابوحنیفہ اور مقدمہ انوار الباری نام نہاد شرح بخاری اور الکلام المحکم ہیں۔ ان کتابوں کا طرز بیان اور طریق تحریر اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہے مگر مقصد تمام کا ایک ہی ہے کہ محدثین کرام پر جس طریقہ سے بھی الزامات عائد کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ الزامات جھوٹ اور دجل ہوں عائد کر دینے چاہئیں۔ تانیب کوثری کی تو بات ہی کیا اس کے مولف کے نزدیک تو تمام ائمہ محدثین عظام بشمول امام مالک' شافعی اور احمد بن حنبل بصیرت سے بے بہرہ ہیں کوثری صاحب کا قلم تو اتنا بے باک اٹھا ہے کہ ان کے نزدیک تو بڑے بڑے محدثین حضرات وتر کا معنی اور مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ یا پھر ان محدثین میں ائمہ احناف کے بارہ میں اتنا حسد اور تعصب رہا ہے کہ جس سے ان کی معاذ اللہ عقلیں مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہ لوگ تو کوثری صاحب کی نگاہ میں محض کور چشمی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ انہیں تو سوائے الفاظ کے رٹنے کے اور کوئی شغل ہی نہیں تھا۔ اسی

طرح ایک نامور حنفی اٹھے انہوں نے مذہبی داستانیں کے نام پر کئی جلدوں میں کتاب لکھ دی۔ جس میں انہوں نے یہاں غلط واقعات کو نشانہ بنانا تھا عمداً صحیح بخاری (جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے) کو نشانہ بھی بنا لیا اور تفقہ کے یہ نام نہاد ٹھیکیدار صحیح بخاری کی ایک صحیح حدیث کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا عمداً بدنام کرنے اور اس کی حیثیت کو گرانے کے لئے یہ الزام دھر دیا ہے کہ بخاری تو وجودیت کی تعلیم دیتی ہے یعنی منبع شرک ہے۔ **(سبحانک ھذا بھتان عظیم)** اور ایک صاحب اٹھے جنہیں غالبا جھوٹ لکھنے میں پوری پریکٹس اور مہارت ہے فرما دیا کہ امام بخاری تو زبردست مدلس تھے ان میں بھی تفقہ نہیں تھا اور پھر صحیح بخاری کے اوپر پچیس اعتراض جڑ دیئے جو تمام کے تمام خود معترض کی نااہلی کی سند ہیں۔ اس طرح انہیں حضرات میں سے ایک صاحب تو صحیح بخاری کے متعلق اتنا برسے کہ اللہ کی پناہ۔ فرمایا اس میں باتفاق محدثین اسی (۸۰) احادیث ضعیف ہیں۔ حالانکہ اس اتفاق کا دعویٰ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ دن کو رات کہنے کے مترادف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب صحت کے اعتبار سے کتب حدیث میں سب سے نمایاں کتاب یعنی بخاری شریف میں اتنے عیوب پائے جاتے ہیں جو اس کی صحت کو مشکوک کر دیتے ہیں تو باقی حدیث کی کتابیں کسی عام قاری کے لئے اعتماد اور اعتبار کا سرمایہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ عام آدمی جب از خود کسی حدیث پر عمل کرے گا تو اسے سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

پھر ان معتبر اور معتمد کتابوں کو پایہ اعتبار سے گرانے کے لئے یہ شوشہ بھی چھوڑا گیا ہے کہ ان کتابوں میں تو اختلاف بہت ہے لہٰذا عمل کرنے والا کس پر عمل کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا اللہ بھلا کرے انہوں نے حجتہ اللہ میں اس شوشہ کو لغو اور باطل ثابت کیا اور دعویٰ کیا کہ دو صحیح احادیث میں قطعاً کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہے یہ تو سمجھنے والے کی ناسمجھی اور عدم فراست کا نتیجہ ہے۔ مزید فرماتے ہیں کوئی ایسی دو حدیثیں ہمیں پیش تو کرو جن میں تعارض ہو میں اسے رفع

کر کے دکھاتا ہوں۔

پھر ایک شوشہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ بعض مسئلے منسوخ ہو چکے ہیں مگر حدیث کی کتابوں میں ان کے بارہ میں بھی روایات ہیں۔ لہٰذا حدیث کی کتابوں پر جب عامی عمل کرے گا تو اسے یہ خدشہ لاحق رہے گا کہ وہ منسوخ پر تو عمل نہیں کر رہا۔ اللہ رحمت کرے محدثین کرام پر انہوں نے اپنی کتابوں میں منسوخ شدہ روایات کی پوری پوری تحقیق کر دی کہ اب ایسی روایات کے بارہ میں کوئی ابہام باقی نہیں۔ عالم تو عالم رہے ایک عام آدمی جو مذہبی لگاؤ رکھتا ہے وہ بھی منسوخ شدہ مسائل سے پوری طرح واقف ہے۔ دوسری جانب اس کے برعکس یہ ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ فقہ کی کتابیں بڑی تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہیں ان کے ایک ایک مسئلہ پر فقہاء نے محنت شاقہ سے کام لیا ہے اور اسلامی فقہ کا ایک پورا ڈھانچہ تیار کر کے عمل کرنے والوں کے ہاتھ میں تھما دیا ہے کہ اب وہ ان کتابوں پر بلا خوف و خطر عمل کریں۔ کیونکہ فقہ کی ترتیب و تدوین میں بہت سے علماء جو اس وقت کے مجتہد اور بڑے فقیہ تھے نے رات دن ایک کر کے فقہ کی ترتیب و تدوین کی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے چار ہزار شاگردوں میں سے صرف چالیس شاگردوں کا انتخاب کیا جنھوں نے پورے تیس سال یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک تدوین فقہ میں حصہ لیا اور ایک ایسا مجموعہ تیار کیا ہے جو اپنی عمدگی میں بے مثل اور بے نظیر ہے۔

ہم کہتے ہیں جیسا انہوں نے محدثین کرام پر ناجائز طعن کیئے' غلط الزام لگائے اور ان پاک بازوں کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے جھوٹ اور حیلے تراشے ایسے ہی انہوں نے حنفی قول و اقوال کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے بڑے زبردست پروپیگنڈہ سے کام لیا اور یہ آج تک جاری ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تدوین کے لیے علماء کی ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے فقہ کو مدون کیا مگر حقیقت

یہ ہے کہ نہ تو امام ابوحنیفہؒ نے کوئی ایسی کمیٹی بنائی جنھوں نے تدوین فقہ کا کام کیا ہو اور نہ ہی امام صاحب نے کوئی فقہ کی تدوین کرائی۔ فرضی کمیٹی کا محض جھوٹ ہونا تو اس سے بھی واضح ہے کہ امام صاحب نے جن چالیس حضرات کو تدوین کے لئے جمع کیا تھا ان میں تو کچھ کمیٹی کی تشکیل کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے اور کچھ ابھی دودھ پینے کی مدت میں تھے اور کچھ پانچ سال تک کے بچے تھے گویا کہ ان حضرات نے ان چالیس مجتہدین اور فقہاء کی جو فہرست پیش کی ہے ان میں سے سوائے دو یا تین کے باقی کوئی بھی کمیٹی کی تشکیل کے وقت سن بلوغت کو نہیں پہنچا تھا۔ مجتہد ہونا تو بہت بعد کی بات ہے۔ اور پھر تعجب کی یہ بات ہے کہ ان چالیس مجتہدین میں سے نصف سے زائد کذاب' متہم' مجروح' متروک اور ضعیف ہیں چند ایک ثقہ ہیں مگر وہ امام صاحب کے زبردست مخالف تھے۔

محدثین کے خلاف ان حضرات کی روش دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ ان کے پھیلائے ہوئے جھوٹ اور الزامات کو طشت از بام کرنا چاہیئے تو اس کے لئے دو راہیں متعین کی گئیں۔ اولاً تو ان کی فقہ ساز کمیٹی کے حالات سامنے لانا چاہئے اور ثانیاً محدثین کرام پر ان کے عائد کردہ الزامات کی قلعی کھولنی چاہئے۔ زیر نظر کتاب میں احناف کی فقہ ساز کمیٹی پر گفتگو ہے ہر رکن کے حالات کو ہم نے مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے اور اس کتاب کی ترتیب ہم نے حروف تہجی پر رکھی ہے تاکہ کسی بھی رکن کا تعارف ملاحظہ کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ ہاں حضرت امام صاحب کے حالات کو فقہ ساز کمیٹی کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے پہلے بیان کیا ہے۔ راقم نے اس کتاب عظیم المنفعت کا نام "داستان حنفیہ" تجویز کیا ہے۔

اس موضوع پر علماء اہل حدیث نے پہلے بھی کچھ کام کیا ہے جن میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' مولانا کرم الدین سلفی' مولانا فیض عالم صدیقی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نمایاں ہیں مگر ان کا کام بہت اختصار کے ساتھ تھا اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیلی کام علامہ رئیس احمد ندوی نے کیا ہے اور کام کا حق ادا کیا ہے

تحقیق کے مہروں سے احناف کے بلند دعووں کو مٹی میں ملا دیا ہے۔ مگر وہ کافی طویل اور زیادہ علمی گہرائی والا ہے جس سے عام آدمی استفادہ نہیں کر سکتا۔

حوالہ جات کی مراجعت اور تحقیق و تخریج تمام اصل کتابوں سے کی ہے مگر جو راقم کے پاس نہ تھیں ان کے حوالہ جات اللمحات سے لیئے ہیں جو اس معاملہ میں نہایت قابل اعتماد ہے۔

آخر میں فاضل مکرم جناب مولانا امتیاز الحسن الفرقان ساھووالہ و محمد اکرم شیخوپوری کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے پروف ریڈنگ میں راقم کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اس کتاب کو حق و باطل کا امتیاز اور صدق و کذب کی تمیز میں شرف قبولیت سے نوازے۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم**

کتبہ ابو انس محمد یحییٰ بن محمد یعقوب گوندلوی
فاضل جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ و متخصص ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد۔
مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساھووالہ سیالکوٹ

تکمیل دین

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم۔ اما بعد۔ فاعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا○

اللہ کریم نے اپنے دین کی تکمیل حضرت رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ فرما دی۔ دین کے متعلقہ تمام اصول بیان کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اب نہ ہی کوئی نیا دین نازل کرنا ہے اور نہ ہی اسلام کی تکمیل کے بعد اس کی گنجائش اور ضرورت باقی ہے۔ یہ دین اپنے منہج اور طریق کے ساتھ اتنا شفاف اور واضح ہے کہ اس میں کوئی تاریکی اور ظلمت نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس دین شفاف کے بارہ میں فرما دیا تھا۔

لیلها کنهارها۔ کہ اس کی رات میں بھی ایسی روشنی ہے جیسا کہ اس کے دن میں ہے۔

یہ روشنی صرف کتاب و سنت کی ہے جس کی نورانی کرنیں پورے عالم کو محیط ہیں اور یہی روشنی کامیابی کی ضمانت ہے اور یہی **اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول** ہے باقی جو کچھ بھی ہے نہ وہ کامیابی کی کلید ہے اور نہ ہی ضامن۔ جو بھی اس اصول پر چلا وہ منزل مقصود کو پہنچا۔ **فقد فاز فوزاً عظیما۔**

صحابہ کرامؓ کا طریق

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ اسی چشمہ صافی سے سیراب ہوئے وہ خود کو کبھی بھی کتاب و سنت کے مقابل اور معارض پیش نہ کرتے ان کے ہاں زندگی کا سب سے بڑا مقصد کتاب و سنت کا اتباع تھا چنانچہ وہ کتاب و

سنت کے مقابلہ میں کبھی اپنی رائے پیش نہ کرتے اگر بہ تقاضائے بشریت کسی موقعہ پر کتاب و سنت کے خلاف کوئی عمل سرزد ہو گیا تو علم ہونے پر اپنے کئے پر ندامت اٹھاتے اور کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس بارہ میں طریق بہت واضح تھا جیسا کہ میمون بن مہران فرماتے ہیں۔

جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس کوئی مقدمہ آتا تو آپ سب سے پہلے اس کا حل اللہ کی کتاب سے تلاش کرتے اگر اس کا حل اللہ کی کتاب سے پا لیتے تو اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرما دیتے۔ ورنہ سنت رسول کی طرف رجوع کرتے اگر اس بارہ میں خود سنت کا علم نہ ہوتا تو دیگر صحابہ کرام سے پوچھتے۔ جب کسی صحابی سے بھی اس بارہ میں سنت کا علم ہو جاتا تو اللہ کا شکر بجا لاتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو اس کے دین کے محافظ ہیں۔ اگر بالفرض سنت کا علم بھی نہ ہوتا تو پھر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے اور جس امر پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ (دارمی ص ۵۴ ج ۱)

اور یہی طریق دیگر خلفاء راشدین کا تھا جس کی تفصیل امام ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور راقم نے مقلدین ائمہ کی عدالت میں بیان کی ہے۔

قیاس سے نفرت

صحابہ کرام کا طریق چونکہ خالص کتاب و سنت کا تھا جس کی وجہ سے ان کو قیاس سے سخت نفرت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی ان قلت فی ایة من کتاب اللہ برای وبما لا اعلم

جب میں کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے کروں تو بتاؤ مجھے کون سی زمین اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو گا‘ کتنے واضح الفاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے اور قیاس سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حضرت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

السنة ما سنه الله ورسوله ولا تجعلوا خطا الرائی سنة للامة

سنت تو وہی ہے جس کو اللہ اور رسول نے سنت قرار دیا تم غلط رائے کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لوكان الدين بالرای لكان اسفل الخف اولٰی بالمسح من اعلاه وقد رایت رسول الله يمسح علی ظاهر خفيه (ابوداؤد)

اگر دین کی بنیاد رائے اور قیاس پر ہوتی تو موزوں پر مسح اوپر کی بجائے نچلی جانب زیادہ مناسب ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر حضرت جابر بن زید سے فرماتے ہیں۔

انک من فقهاء البصرة فلا تفت الا بقران ناطق او سنة ماضية فان فعلت غير ذلک هلكت واهلكت (دارمی ص ۵۴ ج ۱)

آپ بصرہ کے فقہاء میں سے ہیں۔ جب بھی فتویٰ دیں تو قرآن ناطق اور سنت ماضیہ سے دیں اگر کتاب و سنت کے علاوہ (قیاس سے) فتویٰ دیا تو خود بھی ہلاک ہو گے اور جو ان پر عمل کریں گے وہ بھی ہلاک ہوں گے۔

یہ وہ صحابہ کرام کا منہج اور طریق صافی تھا جس میں کوئی گدلا پن نہیں تھا بلکہ وہ کتاب و سنت کے بجائے قیاس و آراء کو اپنانے والوں کو ہلاکت والے گردانتے تھے۔

تابعین کا طریق

اور یہی تابعین کرام کا طریق تھا کہ وہ کتاب و سنت کے نصوص کو حرف آخر سمجھتے تھے قیاس و آراء کے سخت مخالف تھے بلکہ اسے بول و براز سے بھی زیادہ گرا ہوا جانتے تھے جس کی تفصیل ہم نے مقلدین آئمہ کی عدالت میں بیان کی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیے۔

قیاس کا اسلام میں دخول

صحابہ کرام کے آخری دور میں اسلامی مملکت کی حدود بہت زیادہ پھیل چکی تھیں۔ عرب کے علاوہ قرب و جوار کے عجمی ممالک بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے تھے اور نئے نئے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے جن کا فکر وہ نہ تھا جو عربی مسلمانوں کا تھا اور پھر یہ ہوا کہ بنو امیہ کی حکومت کمزور پڑنے پر طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا یہاں سیاسی شورش برپا تھی وہاں بعض حضرات نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر مذہبی ارتعاش بھی پیدا کر دیا اور نئی نئی بدعات کا آغاز ہونا شروع ہوا یہ مذہبی بدعات عقل و آراء اور قیاس کے بل بوتے پر ایجاد ہو رہی تھیں جس سے اسلام میں بدعات کے ساتھ قیاس و آراء کا بھی شہرہ ہو گیا مگر صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے ایسی خرافات کو دبا کر رکھا جب تابعین عظام کا دور ختم ہوا تو ان بدعات نے پھر سر اٹھا لیا۔ ان بدعات کا مرکز ارض عراق تھی۔

کوفہ کی حالت

کوفہ جب سے بنا ہے اس وقت سے وہاں فتنوں نے جگہ پائی بلکہ ہر فتنے کا تعلق کوفہ یا پھر عراق سے رہا ہے اسلام میں رائے اور قیاس کا داخل ہونا بھی ایک بہت بڑا فتنہ تھا لہذا رائے نے بھی اپنا مرکز کوفہ کو بنایا۔

اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث

قیاس کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد عراق کے بعض علماء اس کے دلدادہ ہوئے انہوں نے کثرت سے قیاس اور رائے کو استعمال کیا جس کی وجہ ان میں آثار کی کمی اور روایات کی قلت تھی۔ پھر کچھ ماحول اور فضا کا بھی اثر تھا کہ وہ لوگ صحابہ کرام کے صاف ستھرے منہج اور راستہ کو چھوڑ کر قیاس و آراء کی طرف مائل ہوئے جس کی تفصیل فلسفہ تاریخ کے امام ابن خلدون اور حضرت شاہ

ولی اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں۔

فقہ کی تقسیم دو طریقہ پر ہو گئی۔ اہل عراق الرائے اور قیاس والے تھے اور اہل حجاز اہل حدیث تھے عراقیوں (اہل الرای) میں حدیث کم تھی تو انہوں نے کثرت سے قیاس کا استعمال کیا اور اس کے استعمال میں مہارت حاصل کی جس کی وجہ سے ان کا نام ہی رائے والے پڑ گیا اس گروہ کے سردار ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد تھے۔ اور اہل حجاز (اہل حدیث) کے امام مالک' امام شافعی اور ان کے بعد کے (محدثین تھے) (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ ابن خلدون سے پہلے جن حضرات نے فقہاء کوفہ اور عراق کا تذکرہ کیا ہے (باخراج محدثین) ان کو بھی اہل الرای سے ہی تعبیر کیا ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی جنھوں نے اختلاف العلماء پر ایک مستند کتاب تحریر فرمائی ہے اور غالبا یہ اس موضوع کی پہلی کتاب ہے اس میں بھی انہوں نے امام صاحب کو اہل الرای کے نام سے ہی تعبیر کیا ہے اسی طرح امام ترمذی نے جہاں بھی مذاہب کا ذکر کیا ہے تو سوائے ایک جگہ کے جس کا تذکرہ امام وکیع کے ترجمہ میں آئے گا اور کسی جگہ امام صاحب کا نام نہیں لیا اور جہاں بھی اہل کوفہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کو اہل الرائی کے نام سے ہی تعبیر کیا ہے جبکہ امام ثوری جو کوفہ کے رہنے والے تھے ان کا تذکرہ اصحاب الرائے کے علاوہ کیا ہے علامہ شہرستانی فرماتے ہیں۔

اصحاب الرای هم اهل العراق وهم اصحاب ابی حنیفة وانما سموا اصحاب الرای لان اکثر عنایتهم بتحصیل وجه القیاس (الملل والنحل ص ۱۸۸)

عراق اصحاب الرائے تھے اور یہ ابوحنیفہ کے شاگرد اور اصحاب ہیں۔ ان کا نام اصحاب الرائے اس وجہ سے ہے کہ ان کی زیادہ تر کوشش قیاس کے ذریعہ ہوتی ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

واشتغالهم بالحدیث قلیل قدیما وحدیثا (الانصاف ص ۷۷)

ان کا حدیث کے ساتھ ماضی اور حال میں اشتغال کم رہا ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ احناف کو اہل الرائے اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا حدیث نبوی سے اشتغال بہت کم تھا اور قیاس اور رائے میں دلچسپی زیادہ تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں احادیث نبویہ سے بہت کم استدلال کیا گیا ہے اور اگر کہیں حدیث کا ذکر بھی ہے تو اس کی صحت کا قطعا خیال نہیں رکھا گیا بلکہ جو روایت بھی حنفی اقوال کے مناسب معلوم ہوئی خواہ وہ سخت ضعیف یا موضوع ہی ہو **قوله علیه السلام** کہہ کر درج کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حنفی فقہ کی کتابوں میں کسی روایت کا ہونا اس کی صحت کے لئے ضروری قرار نہیں دیا جاتا محدثین نے تو خیر ان کتابوں کو اہمیت نہیں دی اس لئے کہ ان میں قال رسول اللہ ﷺ کے بجائے قال فلان کا تکرار ہے مگر تعجب اور حیرت کن امر یہ ہے کہ خود احناف میں بھی ایسے حضرات جن کا حدیث سے کچھ لگاؤ رہا ہے نے بھی اپنے مذہب کی کتابوں میں کسی بھی درج شدہ روایت کو آنکھیں بند کئے ہوئے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور برملا کہا ہے کہ یہ کتابیں حدیث کے معاملہ میں قابل استناد اور قابل اعتماد نہیں ہیں مشہور حنفی شارع اور محدث ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

ولا عبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين۔

(الموضوعات الكبير ص ۲۵)

نہایہ اور ہدایہ کی باقی شرحوں میں درج شدہ احادیث کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ ان کتابوں کے مولف محدث نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے حدیث کی اسناد کسی ایک مخرج (حوالہ اصل) کی طرف کی ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی ارقام ہیں۔

فکم من کتاب اعتمد علیه اجلة الفقهاء مملؤة من الاحادیث الموضوعة ولا سیما الفتوی فقد وضح لنا بتوضیح النظر ان اصحابهم وان کانوا من الکاملین لکنهم فی نقل الاخبار من المتساهلین۔ (النافع الکبیر ص ۱۲)

کتنی ہی کتابیں ہیں جن پر ہمارے بڑے بڑے فقہاء کا اعتماد ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ کتابیں موضوع او من گھڑت روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ خصوصا فتووں کی کتابیں۔ ہمیں گہری اور وسعت نظر کے ساتھ یہی معلوم ہوا ہے کہ ان کے لکھنے والے اگرچہ (فقہ کے فن) میں کامل تھے مگر حدیث کے نقل کرنے میں بالکل سست اور متساھل تھے۔

نیز

یہ ایسے فقہاء تھے جنہیں صرف فقہی مسائل کے ضبط کا ہی حصہ ملا تھا مگر حدیث کی روایت میں اناڑی تھے کسی قسم کی مہارت نہیں رکھتے تھے۔

(مقدمہ شرح وقایہ ۱۳)

نیز فقہ کی کتابیں فقہی مسائل میں اگرچہ معتبر ہیں اور ان کے لکھنے والے بھی کامل اور ماہر فقیہ تھے مگر حدیث کے نقل میں بالکل قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی درج کردہ روایات یقینی نہیں ہیں اس لئے کہ ان کتابوں میں درج بہت سی احادیث ایسی ہیں جو موضوع اور من گھڑت ہیں۔ (مقدمہ شرح وقایہ ص ۱۳ ملخصا")

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل الرائے اور اہل الحدیث میں بنیادی فرق یہی ہے کہ اہل الرائے خصوصا فقہ حنفی کے مصنفین اور مولفین حدیث کے بارہ میں ناقابل اعتماد ہیں ان کی کئی کئی جلدوں میں ہزاروں صفحات پر مشتمل کتابیں اپنے حلقہ میں اس لئے تو قابل اعتماد ہیں کہ ان میں قال فلان صحیح ہے مگر یہ کتابیں اپنے حلقہ کے محققین کے ہاں بھی ناقابل اعتماد ہو جاتی ہیں جب

یہ قولہ علیہ السلام کہہ کر کسی حدیث کو پیش کرتی ہیں۔

اہل حدیث۔ تعریف۔ منہج

اہل الرائی کے بالمقابل محدثین کرام کا گروہ تھا جن کا اشتغال فقہ' قیاس و رائے کے بجائے صرف کتاب و سنت سے تھا ان کی سوچ کتاب و سنت کے زاویہ میں محدود تھی بلاشبہ یہ لوگ تفقہ فی الدین میں ماہر اور کامل تھے مگر وہ حدیث کی طلب اور جستجو میں رہتے تھے ان کے ہاں شاہراہ عمل خود قرآن و حدیث کا متعین کردہ تھا۔ ان کی مجالس قال فلاں کے بجائے قال رسول اللہ ﷺ کی فضاء سے معمور تھیں اور یہ وہی منہج اور طریقہ تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو گامزن کیا تھا اور صحابہ کرام ؓ نے بھی صرف اسی راستہ کو لازم پکڑا تھا۔

اھل الحد یث ھموا اھل النبی (1)

لم یصحبوا نفسه فانفاسھم صحبوا

امام ابن القیم جماعت اہل حدیث کا تعارف ان الفاظ سے کراتے ہیں۔

اہل حدیث وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پیچھے قدم بقدم چلتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ اور عمل صحابہ کے مشکواۃ اور چراغدان سے نور حاصل کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کا نازل کردہ دین کسی کی رائے اور قیاس سے بہت عظمت عزت اور قدر والا ہے۔ وہ کسی کے قول اور قیاس کی تقلید نہیں کرتے۔ جہانوں میں یہی لوگ اچھی تعریف کے مستحق ہیں۔ ان کے بعد میں آنے والوں کی زبان میں بھی سچائی ہے اور ان کے پیچھے پھر ایسے لوگ آئے جو دلیل اور قوت استدلال سے واقف تھے۔ حق جس جگہ بھی ہو یہ لوگ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جب ان کو دلیل مل جاتی ہے وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ کی آواز (حدیث صحیح) ان تک پہنچ جاتی ہے تو یہ فوری اقتداء اور عمل کرتے ہیں۔ بس وہ پھر دلیل کے مقابلہ میں قائل کو نہیں دیکھتے بلکہ دلیل کو دیکھتے

ہیں کتاب و سنت کے دلائل ان کے سینوں میں کسی بھی بڑے سے بڑے انسان کے قول سے زیادہ عظمت والے ہوتے ہیں۔ وہ پھر کسی کے قیاس اور قول کو پیش نہیں کرتے اور نہ ہی دلائل کو قیاس سے ٹھکراتے ہیں۔ (اعلام الموقعین ص ۴)

واہ۔ سبحان اللہ کیسا پیارا مذہب جس میں قرآن و حدیث کی عظمت اتنی اجاگر ہے کہ ان کے مقابلہ میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے قول و قیاس کا ذرہ برابر وزن نہیں۔ یہی وہ مذہب ہے جو کتاب و سنت کے مقابل کسی کی رائے اور قیاس کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ حق ان کے ساتھ ہے اور یہ حق کے ساتھ ہیں ان کا منہج اور طریق اتنا واضح اور شفاف ہے کہ جس میں شرک و بدعت کی تاریکی اور ظلمت کا تصور بھی محال ہے۔ کثر اللہ سواد ھم

بدنام کرنے کی سازش

مگر اس پاک باز جماعت کو شروع سے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اور آج تک ہے۔ ان کو طرح طرح کے الزام دے کر بدنام کرنے کی سازشیں کی گئیں۔ اہل حدیث کے خلاف موجودہ احباب کا تو تذکرہ ہی کیا قدیم ہی سے اہل الرای نے محدثین کو بدنام کرنے کی پوری ٹھانی ہے اور ان کی طرف ایسے غلط مسائل منسوب کئے گئے کہ جنہیں عوام سن کر ان سے نفرت کریں جس کی مثالیں اوراق تاریخ کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اپنے موقف کی وضاحت اور دلیل کے لئے صرف ایک مثال عرض کئے دیتا ہوں۔ احناف کے شیوخ و اکابر سے لے کر اصاغر تک تمام ہی امام بخاریؒ کی طرف ایک فتویٰ کا انتساب کرتے چلے آرہے ہیں اکابر میں تو ابوکبیر فقیہ نے اس فتوے کو دریافت ہی نہیں بلکہ ایجاد کیا تھا اور اصاغر میں تو اتنے ہیں کہ جن کا شمار اور احاطہ آسان کام نہیں ہے۔ سنئے وہ نام نہاد فتویٰ یہ ہے کہ بقول ان کے

امام بخاریؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ اگر دو بچے کسی بکری کا دودھ (مدت رضاعت

میں پی لیں) تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ (حدائق حنفیہ الفضل الموہبی ص ۳۱)

معاذ اللہ امام بخاریؒ نے ایسا فتویٰ دیا ہو۔ وہ امام جس کی فقاہت کا شہرہ عالم اسلام میں ہے جس کی ثقاہت کا اوازہ پوری اسلامی دنیا میں ہے جن کے علم و فضل پر اپنے تو اپنے رہے بیگانے بھی اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ جو فقیہ ہی نہیں تھے بلکہ فقیہ گر تھے قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری کے پایہ کی کتاب نہ دنیا میں موجود ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ ایسا وجود رکھنے والی کتاب قیامت کی دیواروں تک اپنا وجود پیش کر سکے۔ مگر ان احباب نے تو اس امام پر بھی جھوٹ باندھ دیا جس نے دین کے تحفظ میں ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی مثال پیش کرنے سے آج پورا عالم اسلام قاصر ہے۔ بھلا ایسا محدث جو امیر المحدثین فی الحدیث ہو اور افقہ الفقہاء ہو اتنا گرا فتویٰ دے سکتا ہے۔ **سبحانک ھذا بھتان عظیم**

متذکرہ واقعہ کو امام بخاریؒ کی طرف منسوب کرنے کا مقصد دراصل اس پروپیگنڈہ کو تقویت پہنچانا تھا کہ محدثین میں **تفقہ** ہوتا تو امام بخاری بکری کے دودھ سے رضاعت ثابت نہ کرتے۔ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں تو محدثین کرام کے جان فشا کارناموں کو یہ لوگ دھندلا نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہوں نے محدثین کرام کو بدنام کرنے کے لئے اس زاویہ سے پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس سے لوگوں کی نظروں میں یہ جاہل ٹھہریں کہ ان میں **تفقہ** نہیں ہے۔ اس کے لئے امام اعمش کی طرف منسوب اور ضعیف قول کہ محدثین تو صرف پنساری ہیں عطار تو فقہاء ہیں کو بنیاد بنایا۔ حالانکہ امام اعمش کی ساری زندگی محدثانہ طرز عمل کی شاہکار ہے اگر وہ اس طرز عمل کو صرف پنسار کی حد تک سمجھتے ہوتے تو وہ خود اس میدان میں اپنی زندگی صرف نہ کرتے۔

محدثین کی فقاہت تو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ ہر حدیث پر فقہی باب یا ایک حدیث سے مختلف مسائل کا استنباط۔ آپ صحیح بخاری کو ہی لیجئے امام بخاری نے بعض احادیث پر بیس بیس باب باندھے ہیں کیونکہ امام صاحب کا **تفقہ** اتنا

وسیع ہے کہ بسا اوقات وہ ایک حدیث سے بیس سے زیادہ مسائل کے استنباط پر قدرت اور مہارت رکھتے تھے۔ اس کے مقابل آپ فقہ کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں۔ جن میں قال فلاں وقال فلاں کے سوا آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا اور پھر فقاہت بھی ایسی کہ جس کو عام انسان کی عقل بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ آپ بتائیے کہ اس مسائل میں کون سی فقاہت ہے کہ اگر محرمات سے نکاح کیا جائے اور نکاح کرنے والے کو علم بھی ہو کہ یہ عورت جس سے میں نکاح کر رہا ہوں مجھ پر حرام ہے پھر وہ نکاح کرنے کے بعد اس سے وطی بھی کر لے۔ تو اس پر حد نہیں۔ لواطت کرنے والے پر صرف تعزیر ہے حد نہیں۔ چور اگر چوری کا انکار کر دے درآنحالیکہ اس سے مسروقہ مال برآمد بھی ہو جائے تو اس پر قطع نہیں ہو گا۔ مردہ عورت سے بدفعلی کرنے والے پر حد نہیں۔ اگر جوان عورت نابالغ بچے سے زنا کرے تو اس پر حد نہیں۔ اسی طرح جوان مرد نابالغ بچی سے بدفعلی کرے تو حد سے چھوٹ ہے۔ گھر میں کام کاج کے لئے رکھی ہوئی نوکرانی سے زنا کرے تو حد نہیں۔ امام کی اہلیت کی شرائط میں سر کا بڑا ہونا۔ عضو کا چھوٹا ہونا۔ امام کی بیوی کا مقتدیوں کی بیوی سے حسین ہونا آخر ان میں کون سی فقاہت ہے اور ایسی فقاہت کا منبع اور ماخذ کیا کتاب و سنت ہے حاشا و کلا۔ کیا عطاری اسے کہتے ہیں کہ مرض کچھ ہو اور علاج کچھ۔ فقاہت کا صحیح نمونہ محدثین کرام نے پیش کیا جن کے سامنے صحیح احادیث اور آثار صحابہ کا ایک ذخیرہ موجود تھا۔ بھلا جن کے پاس احادیث و آثار کا کوئی ذخیرہ ہی نہیں تھا۔ محض دماغ سوزی کے اور کوئی دھندہ ہی نہیں تھا ان کی فقاہت کتاب و سنت سے توافقت کا کیسے صحیح نمونہ پیش کر سکتی ہے۔

محدثین کا رستہ بہتر رستہ

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی جو موجودہ احناف میں بڑا مقام رکھتے ہیں انہوں نے اپنی مختصر سی عمر میں فقہ حنفی کی بڑی خدمت کی ہے ان کے سامنے اہل

الرای کا طریق بھی تھا اور محدثین کا بھی پھر انہوں نے دونوں طریقوں کو پرکھا جانچا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرماتے ہیں۔

من نظر بنظر الانصاف وغاص فی بحار الفقه والاصول مجتنبا عن الاعتساف یعلم علما یقینیا ان اکثر المسائل الفرعیة والاصلیة التی اختلف العلماء فیها فمذ هب المحد ثین فیها اقوی من مذ اهب غیرهم۔ وانی کلما اشیر فی شعب الاختلاف اجد قول المحد ثین فیه قریبا من الانصاف فللّٰه درهم وعلیه شکرهم کیف لا وهم ورثة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حقا و نواب شرعه صد قا حشرنا اللّٰه فی زمرتهم واما تنا فی حبهم وسیرتهم ،

جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھے اور تعصب سے بالاتر ہو کر فقہ اور اصول کے سمندر میں غوطہ زن ہو تو وہ یقیناً جان لے گا کہ فروعی اور اصلی مسائل جن میں علماء کرام نے اختلاف کیا ہے ان میں تمام سے زیادہ صحیح اور قوی مذہب محدثین کا ہے۔ میں نے جب بھی مختلف فیہ مسائل میں تحقیق کی ہے تو مجھے محدثین کا مذہب ہی قرین انصاف نظر آیا ہے۔ محدثین تو لائق تعریف ہیں اور یہ تو اللہ کے شکریہ کے حقدار ہیں۔ یہ ایسے کیوں نہ ہوں جب کہ صحیح معنوں میں یہی رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں اور آپ کی شریعت کے سچائی میں نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ اس جماعت سے کرے اور ہمیں ان کی محبت اور سیرت پر فوت کرے۔ (امام الکلام ص ۲۱۶)

آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مولانا لکھنوی صاحب نے فقہ کی کتابوں کے بارہ میں کیا تاثرات بیان فرمائے ہیں کہ حدیث کے سلسلہ میں ان کتابوں کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کتابوں میں موضوع اور من گھڑت روایات موجود ہیں۔ وہ اس لئے کہ ان کتابوں کے لکھنے والے ایسے فقہاء تھے جو علم حدیث سے کورے تھے نہ ہی حدیث ان کی لائن اور صنعت تھی انہیں تو غرض

صرف اپنے ائمہ کے اقوال سے تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اس اصلی ماخذ سے محروم رہے اس کے برعکس جن کے خلاف عدم تفقہ کا ایک سازش کے تحت پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے ان کا طریق کتنا محفوظ اور صحیح ہے کہ اختلافی مسائل میں جس نے بھی تعصب سے بالاتر ہو کر تحقیق کی وہ مسلک اہلحدیث کا گرویدہ ہو گیا۔ مولانا لکھنوی صاحب کی زبان سے یہ شہادت احناف کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ بھی اگر مسائل کی تحقیق تعصب سے بالاتر ہو کر کریں تو انشاء اللہ مسلک محدثین (اہل حدیث) کی صداقت اور عظمت ان پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گی۔

کمیٹی کا قیام

فقہ حنفی علمی اور اصولی میدان میں ہر موقعہ پر محدثین کرام کے سامنے شکست ریز ہوتی رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس فقہ کے مسائل قیاسی ہونے کے علاوہ بعض دفعہ ایسے بھی ہوتے تھے جن کا وقوع ابھی نہیں ہوا تھا اور بعض تو ایسے ہیں جو شاید قیامت تک وقوع پذیر نہ ہوں وہ اس لئے کہ فقہاء حضرات کے سامنے ایک مسئلہ آیا پھر انہوں نے اس پر فروع کا استخراج شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسائل ایسے صفحہ قرطاس پر رقم ہوئے جن کا سردست کوئی فائدہ نہیں تھا مگر فقہاء نے ان کو اپنے فضائل میں متصور کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ صاحب انوار فرماتے ہیں۔

مسائل و نوازل کے وقوع سے پہلے امام صاحب نے ان احکام کو کتاب و سنت کی روشنی میں اور ان کی عدم موجودگی میں قیاس سے حل کیا۔ قیس بن ربیع نے امام صاحب کی یہ خصوصیت بیان کی ہے کہ اعلم بما لم یکن یعنی جو حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ ان کے متعلقہ احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔

امام صاحب اور ان کے اصحاب غیر وقوع پذیر امور سے متعلق مسائل پر غور

و خوض کر کے مدون کرتے تھے۔

بانی فقہ حنفی کا نظریہ تھا کہ غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل حل کیئے جائیں۔ یہ چیزیں امام صاحب اور ان کی فقہ کی خصوصیت و فضیلت ہے۔

(مقدمہ انوار ص ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۹۵، ج ۱)

ظاہر ہے کہ ایسے فرضی مسائل میں دماغ سوزی پر انحصار اور اعتماد ہوتا ہے جس کی بنیاد درستی کے بجائے غلطی پر ممکن ہوتی ہے حالانکہ محدثین کرام اور خصوصا حضرات صحابہ کرام ایسے مسائل کو جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ان پر گفتگو اور فتویٰ بازی کو اچھا نہ سمجھتے تھے بلکہ منع فرمایا کرتے تھے۔

زید منقری فرماتے ہیں ابن عمر کے پاس ایک آدمی آیا تو اس نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ میرے علم میں نہیں کہ وہ مسئلہ کیا تھا تو ابن عمر فرمانے لگے تم اس مسئلہ کے بارہ میں نہ پوچھو جو ابھی پیدا نہیں ہوا میں نے عمرؓ بن خطاب کو سنا

یلعن من سئل عما لم یکن۔ (دارمی ص ۴۷ ج ۱)

وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے تھے جو ایسا مسئلہ پوچھے جو ابھی واقع نہیں ہوا۔

نیز حضرت عمار بن یاسرؓ سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا یہ پیش آچکا ہے تو کہنے والے نے کہا نہیں۔ تو حضرت عمارؓ نے فرمایا۔

دعونا حتّٰی تکون فاذا کانت تجشمناھا لکم (دارمی ص ۴۸ ج ۱)

ہمیں چھوڑ دو۔ (جواب نہ دیا) جب یہ مسئلہ پیدا ہو گا تو ہم جواب میں تکلف کر لیں گے۔

اس کی تائید امام زھری کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے بیان کیا ہے جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ پوچھتے کیا یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے اگر پوچھنے والا کہتا جی ہاں تو حضرت زیدؓ جواب دے دیتے۔ اور اگر کہتا کہ ابھی پیدا نہیں ہوا تو فرماتے۔

ابھی رہنے دو۔ جب یہ پیدا ہو گا (تو اس کا حل بھی نکل آئے گا۔)

(دارمی ص ۴۸ ج ۱)

یہ تھا صحابہ کرام کا صاف اور شفاف منہج کہ وہ مسئلہ کی فرع در فرع بنانے میں تکلف نہیں کرتے اور نہ ہی وہ ایسے مسئلے بیان کرتے اور کرنے کی اجازت دیتے تھے جو ابھی وقوع میں نہیں آئے تھے۔

فقہ حنفی میں بقول صاحب انوار ایسے فرضی مسائل کافی حد تک پائے جاتے ہیں جن کا ابھی وقوع نہیں ہوا ظاہر ہے کہ ان کا تعلق کتاب و سنت سے تو نہیں صرف قیاس ہی سے ہے اور قیاس بھی وقت سے پہلے ہوا ہے جو محض ایک خالی خاکہ میں غیر مناسب رنگ بھرنے کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ جو بھی ان اقوال کی تحقیق میں جاتا ہے پھر وہ ان اقوال کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیتا ہے مگر یہ بات حنفی احباب کے لئے ناگوار ہے اس لئے یہاں محدثین کرام کو عدم تفقہ کا الزام دے کر بدنام کرنے کی کوشش کی وہاں پانچویں یا چھٹی صدی ہجری میں انہوں نے یہ پروپیگنڈا بھی شروع کر دیا کہ فقہ حنفی ایک دو افراد کی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ امام صاحب نے چار ہزار افراد میں سے صرف چالیس افراد کا انتخاب کیا جو اسلامی علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے اور وہ اجتہاد کی صفت سے متصف تھے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ امام صاحب نے ایسی کمیٹی قائم نہیں کی اور نہ ہی ان کے اصحاب میں سے کسی ایک نے ایسی کمیٹی اور مجلس کے قیام کا کبھی دعویٰ کیا یہ تو محض ایک پروپیگنڈہ کے تحت امام صاحب کی وفات کے صدیوں بعد اس مجلس کے وجود کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور آج تک پیٹا جا رہا ہے اور زبردستی منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ امام صاحب نے "واقعتاً" یہ کمیٹی قائم کی تھی۔

تاریخ

یہ کمیٹی کب قائم ہوئی احناف کے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ مولف انوار کہتے ہیں ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی۔ (مقدمہ انوار ص ۱۸ ج ۲)

صارم صاحب فرماتے ہیں ۱۲۱ھ میں قائم ہوئی۔ (تاریخ الفقہ ص ۶۹)
مفتی عمیم الاحسان فرماتے ہیں ۱۳۲ھ کے بعد قائم ہوئی۔
(لمحات ص ۴۲۵ ج ۳)

اس کمیٹی کی دریافت میں جتنی جانفشانی مولف انوار نے کی ہے دوسروں نے نہیں کی۔ خصوصا علامہ شبلی نے تو جلد ہی ہتھیار ڈال دیئے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اہلیت اور شرائط

صارم صاحب فرماتے ہیں۔
امام ابو حنیفہ نے تدوین فقہ کا کام ۱۲۱ھ سے اس طرح شروع کیا کہ اپنے تلامذہ سے چالیس اہل کمال کی مجلس بنائی۔ اس جماعت کے ارکان ان تمام علوم و فنون کے ماہر تھے جن کی فقہ و اجتہاد کے لئے ضرورت تھی۔ (تاریخ الفقہ ۶۹)
صاحب انوار لکھتے ہیں۔
امام صاحب کے ہزاروں شاگردوں میں چالیس ایسے محدثین و فقہاء تھے جن کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ (مقدمہ انوار ص ۷۹ ج ۱)
قارئین کرام آپ اہلیت کے مذکورہ اوصاف اور شرائط کو سامنے رکھئے تاکہ آئندہ اراکین کے تعارف میں یہ آپ کے کام آسکیں۔

طریقہ کار

بقول احناف تدوین فقہ کی یہ کمیٹی مسلسل تیس سال تک قائم رہی اگرچہ حقائق کی روشنی میں یہ بھی غلط ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ کمیٹی ۱۲۰ھ کو بنی تھی تو پھر بھی علامہ شبلی صاحب کی تحقیق کے مطابق امام صاحب ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ کو جیل بھیج دیئے گئے تو گویا کہ کمیٹی کی مدت تیس سال نہیں بلکہ پچیس یا چھبیس سال بنتی ہے۔ اس کمیٹی کی کارکردگی کے بارہ میں مختلف قسم کی رپورٹیں اور آراء

ہیں۔

صارم صاحب فرماتے ہیں۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اگر اس پر سب متفق ہو گئے تو فورا ضبط تحریر میں آگیا اگر اختلاف ہو گیا تو اس پر آزادانہ بحثیں ہونے لگیں۔ امام صاحب سب کی تقریریں سن کر فیصلہ تحریر کراتے۔ جب تک تمام اہل مجلس جمع نہ ہو لیتے کام شروع نہیں کیا جاتا تھا ایک مرتبہ امام زفر نے ایک مسئلہ میں شام سے بحث شروع کی اس میں ہی صبح ہو گئی صبح ہوتے فیصلہ ہوا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں میں ابوحنیفہ کی مجلس میں صبح و شام جایا کرتا تھا ایک بار حیض کے مسئلہ میں گفتگو ہوئی تین دن تک بحثیں ہوتی رہیں تیسرے دن شام کو اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا' یعنی مسئلہ طے ہوا اور اس پر اظہار خوشی کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ علماء کو جمع کرتے اور جس پر سب متفق ہو جاتے اس پر عمل کرتے اور جب کوئی استنباط کرتے تھے تو وہ بھی بغیر اجماع علماء زمان نہ لکھتے۔ (تاریخ الفقہ ص ۷۰ ملخصاً")

ناظرین کرام کمیٹی کے اس طریق فیصلہ کو سامنے رکھ کر فقہ کی کتابوں سے اس کا موازنہ کریں تو آپ کو یہ دعویٰ بالکل مہمل اور بے حقیقت نظر آئے گا۔ کیونکہ فقہ کی کتابوں میں کسی ایک مسئلہ پر استاذ اور دو شاگردوں کا اجماع قلیل اور نادر ہے چہ جائیکہ زمانہ بھر کے مجتہدین کے اجماع کا دعویٰ کیا جائے۔ صارم صاحب نے جس ایک مسئلہ کے تحقیق کی مثال دی ہے کہ متواتر تین دن تک حیض کے مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہی تیسرے دن کی شام کو یہ مسئلہ حل ہوا آج بھی فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ پر صرف امام صاحب اور صاحبین کے مابین سترہ اختلافات ہیں باقی ۳۸ اراکین کے اگر اختلافات سامنے ہوں تو پتہ نہیں اختلاف کی کیا صورت بنے۔

مسائل کی تعداد

ان چالیس اراکین نے تیس سالہ دور میں کتنے مسائل پر ریسرچ اور تحقیق

کی۔

صارم صاحب فرماتے ہیں۔

تیرہ لاکھ۔

نیز فرماتے ہیں تراسی ہزار جن میں سے اڑتالیس ہزار عبادات میں اور پینتالیس ہزار معاملات میں۔ نیز امام مالک کی زبانی (جو نرا جھوٹ ہے) ساٹھ ہزار۔ (تاریخ الفقہ ص ۷۰)

مولف انوار فرماتے ہیں۔

لاکھوں مسائل کا استخراج کیا۔

نیز فرماتے ہیں ساڑھے بارہ لاکھ۔ مسائل کی تدوین اس مجلس سے عمل میں آئی جو بمنزلہ احادیث موقوفہ ہیں اور بحسب تحقیق شاہ ولی اللہ (ممکن ہے نسبت جھوٹ ہو) احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہے۔ (مقدمہ انوار ص ۸۱ و ۱۲۵)

قارئین کرام۔ اب آپ تعداد میں اختلاف کو ملاحظہ فرمایئے۔ پہلے تیرہ لاکھ۔ پھر صرف لاکھوں پھر ساڑھے بارہ لاکھ پھر تراسی ہزار اور بالآخر بات ساٹھ ہزار پر ختم ہوئی۔ کہاں تیرہ لاکھ اور کہاں ساٹھ ہزار۔ اس خلیج کے اتنے بڑے پاٹ کو کون ملائے گا۔

کمیٹی کا کام تو آپ کے سامنے ہے جس کے طریق کار سے انجام کار تک ہر جگہ تعارض ہی نہیں بلکہ جھوٹ کی آمیزش بھی ہے جب ایک ایک مسئلہ پر ایک دن سے لے کر تین تین دن تک صرف ہوں تو آپ خود ہی بتایئے مسائل کی اتنی تعداد پر تحقیق کیسے ممکن ہو سکتی ہے جبکہ اسلامی سال کے اعتبار سے تیس سال کے دن بنائیں تو تقریباً ۱۰۶۵۰ بنتے ہیں اگر تیرہ لاکھ مسائل کو ان ایام پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً ۱۲۲ مسئلے ہر روز کے بنتے ہیں جبکہ صارم صاحب کا دعویٰ ہے کہ بسااوقات ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی دن صرف ہو جاتے تھے۔ جس سے اس افسانوی کہانی کی حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔

اراکین کمیٹی

علامہ شبلی اور صارم صاحب کو کوشش کے باوجود چالیس ارکان کا علم نہیں ہو سکا تھا بلکہ انہوں نے صرف ۱۳ اراکین کو دریافت کیا یعنی نصف سے زائد اراکین ان سے بھی او جھل رہے اور شبلی صاحب تو اس پر اظہار افسوس کرتے چلے گئے فرماتے ہیں۔

ہم ان چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے ہیں جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم ان میں سے صرف چند شخصوں کے نام معلوم کر سکے۔ (سیرت نعمان ص ۳۹۰)

اور صاحب انوار فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کی تاریخی مہم میں شریک ہونے والے چالیس اکابر مجتدین' فقہاء' محدثین کی تعیین و تلاش اور حالات جمع کرنے میں مجھے کافی صعوبت اس لئے ہوئی کہ اب تک کسی تصنیف میں یکجا ان کے حالات تعیین و تشخیص کے ساتھ نہیں ملے۔ کتابوں میں بھی تلاش بلیغ کی اور موجودہ اکابر اہل علم سے بھی رجوع کیا گیا مگر کہیں سے راہنمائی نہ ہوئی۔

آخر میں فرماتے ہیں۔ اوپر سے نقول میں یہ چیز ملتی ہے کہ امام صاحب نے اپنے بے شمار تلامذہ و اصحاب میں سے چالیس افراد منتخب کر کے ان کو تدوین فقہ کے کام پر لگا دیا تھا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے ان سب کی تعیین میں کامیابی ہوئی۔ (ملخص) (مقدمہ انوار ص ۱۶۰ ج ۱)

یہ تو مولف انوار نے اقرار کر ہی لیا ہے کہ ان اراکین کا تذکرہ مجھے یکجا نہیں ملا اور نہ ہی بڑے بڑے علماء نے اس کے بارہ میں کوئی راہنمائی کی ہے اب یہ ان چالیس ارکان کا تعارف اور ان کے تعیین میں کامیاب ہوتے ہیں اب آیئے دیکھئے یہ اراکین کون تھے جن کی دریافت میں مولف انوار کو کامیابی حاصل ہوئی

ہے۔ آپ ان ارکان کو چند انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ وہ ارکان جو کمیٹی کے قیام کے وقت ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے مگر وہ اپنی پیدائش سے پہلے اس علمی کمیٹی کے رکن بن چکے تھے ان کی تعداد آٹھ ہے۔

۲۔ پیدا تو ہو چکے تھے مگر نابالغ یا دودھ پیتے بچے تھے۔ ان کی تعداد دس ہے۔

۳۔ بعض ایسے ارکان ہیں جن کا سن ولادت نامعلوم ہے ان کی تعداد اٹھارہ ہے۔

۴۔ چار ایسے ارکان ہیں جو بالغ تھے مگر ان میں سے بھی دو ایسے ہیں جو بیس سال سے کم عمر کے تھے۔

عقائد و اعمال

پھر عقائد و اعمال کے لحاظ سے یہ اراکین مختلف ہیں۔

۱۔ امام صاحب کے ہمنوا تھے مگر وہ حدیث کے معاملہ میں قابل اعتماد نہ تھے۔

۲۔ امام صاحب کے سخت مخالف تھے۔

۳۔ روایت حدیث میں معتبر تھے مگر امام صاحب کے موافق نہ تھے۔

۴۔ روایت حدیث میں ناقابل احتجاج اور ضعیف تھے۔

۵۔ بعض کذاب تھے۔

آیئے اب ہم تفصیل کے ساتھ ان ارکان کا ترجمہ، عقائد و اعمال اور شرائط کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

الامام ابو حنیفہؒ

ولادت ۸۰ھ　　　　　　وفات ۱۵۰ھ

جو تدوین کمیٹی کے وجود کے قائل ہیں ان تمام کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ اس کے بانی، سرپرست اور صدر تھے۔ بقول ان کے اس کمیٹی کی کامیابی کا سہرا بھی امام صاحب کے سر پر ہے۔

اسم گرامی و سن ولادت

اسم گرامی نعمان بن ثابت اور کنیت ابو حنیفہ ہے نام کے بجائے کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ معتبر اور مستند روایت کے مطابق ان کی ولادت ۸۰ھ کو ہوئی اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ بچپن کے حالات نامعلوم ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عام ماحول کے مطابق تعلیم کا آغاز بچپن میں نہیں کیا تھا بلکہ جب آپ عنفوان شباب میں تھے تو کپڑے اور بزازی کا کاروبار کرتے تھے پھر اچانک امام شعبیؒ کے کہنے پر تعلیم کا شوق پیدا ہوا اور پھر تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔

جس دور میں امام صاحب تعلیم حاصل کر رہے تھے اس وقت حصول علم کے لئے دور دراز کے سفر کرنے پڑتے تھے خصوصا محدثین کرام کے اسفار اور رحلات تو تاریخ اسلامی کا ایک سنہری باب ہے مگر امام صاحب نے اس کے لئے زیادہ اسفار نہیں کیئے جیسا کہ محدثین کرام کی عادت تھی بلکہ کوفہ اور اس کے گرد و نواح کے اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ آپ کا حصول تعلیم کا دور ان کے استاذ گرامی قدر امام حماد بن ابی سلیمانؒ کی وفات ۱۲۰ھ تک جاری رہا۔

امام حماد کی وفات کے بعد آپ مسند تدریس و افتاء پر جلوہ افروز ہوئے۔ امام حماد سے آپ کا تلمذ اور مصاحبت دس سال رہی اس دوران آپ نے امام حماد سے فقہ پڑھی۔ (مقدمہ انوار ص ۴۰ ج ۱)

امام صاحب کی جانشینی

امام حمادؒ کا مدرسہ محدثانہ طریق فکر پر نہیں تھا بلکہ فقیہانہ طرز کا حامل تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ درس حماد میں حدیث کے بجائے آراء و قیاس کا غلبہ تھا۔

امام حماد بن سلمہؒ فرماتے ہیں۔

میں امام حماد سے مسندات کے بارہ میں پوچھتا اور لوگ ان سے رائے کے بارہ میں پوچھتے تھے۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں صدوق ہیں مگر قابل حجت نہیں ہیں ہاں فقہ میں مستقیم ہیں جب کوئی اثر (حدیث) آجاتی تو پریشان ہو جاتے۔

جب امام حماد بصرہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے بچے بھی ان سے ازراہ تمسخر پوچھتے بتایئے یہ مسئلہ کیسے ہے اور یہ کیسے ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۵۹۵ ج ۱)

مذکورہ عبارات سے واضح ہے کہ امام حماد کے درس میں زیادہ تر بحث قیاس و آراء سے ہوتی تھی علم حدیث کو اس میں بہت کم دخل تھا۔

جب حضرت الامام مسند حماد کے وارث بنے تو انہوں نے بھی امام حماد کے طریق فکر اور طرز تعلم کو باقی رکھا۔ ان کا انداز بھی امام حماد والا تھا جس میں علم حدیث سے کم اور قیاس و آراء میں زیادہ انہماک اور توجہ تھی جس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب ہدیہ قارئین کر دی جائے گی۔

علمی مقام

امام صاحب کا شمار ان چند افراد میں سے ہے جن کے نام پر چوتھی صدی ہجری کے بعد مستقل مذاہب قائم کئے گئے اور ان کی فقاہت کو ان کے مقلدین نے حرف آخر اور قابل اعتماد خیال کیا۔ امام صاحب ایک معروف فقیہ ہیں جن کے آج بھی لاتعداد مقلد ہیں بلکہ بقول احناف ان کے مقلدین کی تعداد سب سے زیادہ ہے گو یہ بات محل نظر ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ امام صاحب کے نام پر قائم

شدہ مذہب نے اپنا ایک اثر ضرور چھوڑا ہے۔ ان کے ذاتی فتاوے کس قدر ہیں ان کا شمار آج تک امام صاحب کے مقلدین کو بھی نہیں ہو سکا مگر یہ بات ہے کہ آج جو فقہ کے نام پر لکھے گئے عظیم اور ضخیم دفاتر ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان میں ہر ایک مسئلہ میں قال ابوحنیفہ کا تکرار موجود ہے یہ ضروری نہیں وہ امام صاحب کے ہی اقوال ہوں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وكان ابوحنيفةؒ الزمهم بمذهب ابراهيم واقرانه لا يجاوزه الا ماشاء الله وكان عظيم الشان فى التخريج على مذهبه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلاً على الفروع اتم اقبال (حجتہ اللہ ص ۱۴۶ ج ۱)

امام ابوحنیفہ' امام نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے امام نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجوہ میں باریک بین تھے فروع پر پوری توجہ اور انہماک تھا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے زیادہ تر کام فروع پر انہماک اور امام نخعی کے مذہب کی تخریج کا کیا ہے اس میں ان کی ذاتی فقاہت کو اتنا دخل نہیں جتنا کہ وہ امام نخعی کے اقوال پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کی یہ تحقیق دلائل کے لحاظ سے بالکل درست ہے امام صاحب نے امام حماد سے فقہ سیکھی تھی اور وہ براہ راست امام نخعی کے شاگرد تھے۔

پھر اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں تک امام صاحب کے اپنے فتووں کا تعلق ہے امام صاحب سے ان کے اصحاب اور تلامذہ نے اکثر جگہوں میں اختلاف کیا ہے اور بہت دفعہ ایسے بھی ہوا ہے کہ امام صاحب نے تلامذہ کے اختلافی آراء سن کر اپنے فتوے سے رجوع بھی کیا اور کبھی ایسے بھی ہوا کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو ان فتووں کے لکھنے اور بیان کرنے سے منع اور باز کر دیا۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ امام صاحب کے معروف شاگرد اور اس مزعومہ کمیٹی کے ایک اہم رکن امام زفر فرماتے ہیں۔

ہم ابوحنیفہ کے پاس حاضر ہوتے اور ہمارے ساتھ ابویوسفؒ اور محمدؒ بھی ہوتے تو ہم امام کے فرمودات کو لکھتے۔ ایک دن امام صاحب قاضی ابو یوسف کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

ویحک یا یعقوب لا تکتب کل ماتسمع منی فانی قد اری الرای الیوم واترکه غد ا۔ واری الرای واترکه بعد غد۔ (تاریخ ابن معین ص ۶۰۷ ج ۲)

اے یعقوب (قاضی صاحب کا اسم گرامی) تو جو مجھ سے سنے اسے لکھا نہ کر۔ میں آج ایک رائے قائم کرتا ہوں اور کل اسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل ایک رائے قائم کرتا ہوں تو پرسوں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

اس کے مثل امام عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند کے ساتھ امام صاحب کا قول ذکر کیا ہے۔ امام صاحب قاضی ابویوسفؒ کو ہی فرماتے ہیں۔

لا تروعنی شیئا فواللّٰہ ما ادری امخطئی ام مصیب

تو مجھ سے کچھ بیان نہ کیا کر۔ بقسم مجھے معلوم نہیں کہ میں بیان کرنے میں خطا پر ہوں یا درستی پر۔ (کتاب السنہ ص ۲۲۶ ج ۱ و تاریخ بغداد ص ۴۲۲ ج ۱۳)

امام حفص بن غیاثؒ جو امام صاحب کے شاگرد اور اس کمیٹی کے رکن قرار دیئے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔

میں امام صاحب کی مجلس میں بیٹھتا اور ان سے مسائل سنا کرتا تھا ایک دن آپ نے ایک ہی مسئلہ میں پانچ موقف اختیار کئے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو میں نے ان کی مجلس میں جانا چھوڑ دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔

(کتاب السنہ ص ۲۰۵ ج ۱ و تاریخ بغداد ص ۴۲۵ ج ۱۳)

مشہور محدث امام ابو عوانہؒ فرماتے ہیں۔

میں امام صاحب کے پاس جایا کرتا تھا حتیٰ کہ مجھے ان کے کلام میں اچھی طرح مہارت حاصل ہو گئی پھر میں ایک دفعہ کوفہ گیا تو انکی مجلس میں حاضر ہوا تو امام

صاحب کے شاگرد مجھ سے مسائل دریافت کرنے لگے۔ میں ان کو جو جواب دیتا تو وہ میری مخالفت کرتے اور میں ان کو کہتا کہ میں نے تو ان سے اسی طرح ہی سنا ہے۔ اتنی دیر میں امام صاحب بھی تشریف لے آئے تو میں نے ان سے انہی مسائل کے بارہ میں پوچھا جو ان کی آمد سے پہلے مجلس میں ہو چکے تھے تو پتہ چلا کہ وہ ان سے رجوع کر چکے اور فرمانے لگے میں نے ان مسائل کو (جن کو اب اپنایا ہے) پہلے مسائل سے (جن کے بارہ میں آپ دریافت کر رہے ہیں) اچھا جانا ہے۔ تو جب میں نے امام صاحب کی یہ کیفیت دیکھی تو بے ساختہ کہا۔

کل دین یتحول عنه فلا حاجة لی فیه فنفضت ثیابی ثم لم اعد الیه

ان سے تو دین منہ پھیر گیا ہے اب مجھے ان سے کوئی حاجت نہیں۔ میں نے کپڑوں کو جھاڑا اور وہاں سے ایسا آیا کہ پھر دوبارہ کبھی نہیں گیا۔

(تاریخ بغداد ص ۴۲۳ ج ۱۳)

امام مزاحم بن زفر فرماتے ہیں۔

میں نے امام صاحب سے کہا آپ جو فتوے دیتے ہیں یا جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے کیا وہ حق ہے جن میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں تو امام صاحب نے فرمایا۔

واللّٰہ ما ادری لعله الباطل الذی لا شک فیه۔

(تاریخ بغداد ص ۴۲۴ ج ۱۳)

بقسم خدا۔ مجھے معلوم نہیں کہ شاید وہ باطل ہو اور جس کے باطل ہونے میں کوئی شک بھی نہ ہو۔

ان مذکورہ تصریحات سے اظہر من الشمس ہے کہ امام صاحب اپنے بعض فتووں سے رجوع فرمایا کرتے تھے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رائے اور قیاس میں تبدیلی آتی رہتی ہے جس سے پوری طرح اطمینان اور تسلی حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ خود امام صاحب کا قول ہے کہ۔

ھل الدین الا بالرائی الحسن۔ (الکامل ص ۲۴۷۵ ج ۷)

دین اچھی رائے کا نام ہے۔
امام یحییٰ قطان فرماتے ہیں۔

ربما سمعنا الشئی من رای ابی حنیفة فاستحسناه فاخذنا به۔

ہم نے بسا اوقات ابو حنیفہ کی رائے سے کچھ سنا تو جو ہمیں اچھا معلوم ہوا ہم نے اسے لے لیا۔ (الکامل ص ۲۴۷۶ ج ۷)

معلوم ہوا کہ امام صاحب رائے اور قیاس کو ترجیحی اصولوں کے ساتھ لیتے تھے اور ان کے تلامذہ بھی بسا اوقات ان کی رائے کو مستحسن سمجھتے اور اسے قابل عمل سمجھتے تھے۔

امام صاحب کی مجلس میں اکثر قیاسی مسائل پر بحث ہوتی جس کی کچھ تفصیل امام عبداللہ بن مبارک نے مہیا کی ہے فرماتے ہیں۔

صفحہ ارضی پر کوئی ایسی مجلس نہیں جو میرے نزدیک امام ثوریؒ کی مجلس سے زیادہ محبوب ہو۔ اگر تم امام ثوریؒ کو نماز کی حالت میں دیکھنا چاہو تو تم انہیں دیکھ سکتے ہو۔ اور اگر تم نے ان کو اللہ کے ذکر میں مشغول پانا ہے تو تم انہیں ایسی حالت میں بھی پا سکتے ہو۔ اور اگر تم فقہی مسائل میں غور و خوض کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہو تو تم ان کو ایسے بھی دیکھ سکتے ہو۔ مگر میں جب بھی ابو حنیفہ کی مجلس میں گیا ہوں تو وہاں میں نے نبی ﷺ پر درود نہیں سنا۔

(کتاب السنہ ص ۲۱۴ ج ۱' و تاریخ کبیر بخاری ص ۹۳ ج ۲)

امام صاحب کی مجلس میں درود نہ پڑھنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہاں حدیث رسول ﷺ کی تلاوت نہیں ہوتی تھی اگر حدیث رسول کی تلاوت ہوا کرتی تو لازما درود بھی پڑھا جاتا اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنا بڑا امام رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر درود نہ پڑھے۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ امام عبداللہ بن مبارک کی دید و شنید یہی تھی کہ وہاں مسائل کا زیادہ تر استنباط رائے اور قیاس پر ہوتا تھا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام صاحب میں

امام نخعی کے اقوال کی تخریج کا ملکہ اتم درجہ موجود تھا۔

بحث تابعیت

امام صاحب تابعی تھے؟ محققین احناف بھی دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ اکثریت تو آپ کو تابعی مانتی ہے پھر ان میں بھی دو طرح کے علماء ہیں بعض تو رویت اور روایت دونوں اعتبار سے امام صاحب کو تابعی مانتے ہیں مگر ان میں اکثریت ایسے حضرات کی ہے جو صرف رویت کے لحاظ سے آپ کو تابعی تسلیم کرتے ہیں اور روایت کا انکار کرتے ہیں علامہ شبلی نعمانی بھی صرف رویت کے قائل ہیں روایت کو وہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ھدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا حالانکہ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام احادیث کو مع سند نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے سنی تھیں۔ پھر اصول حدیث سے ان کی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ (سیرت نعمان ص ۴۵)

حقیقت

مگر حقیقت اس کے بھی برعکس ہے اور تحقیق شدہ امر یہی ہے کہ امام صاحب کو نہ کسی صحابی کی رویت حاصل ہے اور نہ ہی براہ راست روایت۔ روایت کے اثبات میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کی نفی تو خود علامہ شبلی نے کر دی ہے مگر وہ جس روایت کی بنا پر رویت ثابت کرتے ہیں وہ بھی پایہ تحقیق سے گری ہوئی بلکہ اصول کی روشنی میں بے وجود اور معدوم ہے جو خیرالقرون کے بعد مشتہر کی گئی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام صاحب کی پیدائش کے وقت چند صحابہ کرامؓ بقید حیات تھے جن میں

حضرت انس اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہما ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے یہی حضرت ابوالطفیل لیثی ہیں جو بتحقیق علامہ خطیب تبریزی ۱۰۲ھ کو فوت ہوئے ہیں۔ (الاکمال ملحقہ مشکوۃ ۶۰۳)

گویا کہ امام صاحب نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی حیات کے کم و بیش بیس سال پائے ہیں مگر امام صاحب کی ان سے ملاقات اور روایت ثابت نہیں ہے ویسے تو متاخرین احناف نے صحابہ کرامؓ سے امام صاحب کی ملاقات کے بہت سے دعوے کیئے ہیں بعض نے تو چھبیس صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (تاریخ الفقہ ص ۹۷)

مگر یہ صرف دعویٰ ہی ہے جس کے ثبوت کے لئے دعویدار کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ثبوت۔

خطیب تبریزی فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے ایام میں چند صحابہ کرامؓ موجود تھے جن میں حضرت انس بصرہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں حضرت سہل بن سعد مدینہ منورہ میں اور حضرت ابوالطفیل مکہ مکرمہ میں تھے۔ (رضی اللہ عنہم) لیکن

لم یلق احد ا منهم ولا اخذ عنهم

امام صاحب کی ان میں کسی ایک سے ملاقات ہوئی ہے اور نہ ہی ان سے کوئی روایت لی ہے۔ (الاکمال ملحقہ مشکوۃ ص ۶۲۷)

مذکورہ تصریح سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کسی اعتبار سے بھی تابعی نہیں ہیں امام صاحب کو روایت کے لحاظ سے تابعی ثابت کرنا تاریخ الفقہ کے مرتب یا مولف کے قلم کی صفائی کا نتیجہ ہے۔

روایت اثبات کی حقیقت

علامہ شبلی یا دیگر حضرات جو صرف روئیت کے قائل ہیں ان کے پیش نظر بھی صرف ایک ہی روایت ہے جو امام ابن سعدؒ کے حوالہ سے بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے سیف بن جابر سے بیان کیا وہ ابو حنیفہؒ سے بیان کرتے ہیں کہ

انه رای انسا۔ انہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔

پھر یہ روایت بیان کرنے کے بعد علامہ شبلی نے فرمایا ہے کہ سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایتہ تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ (سیرت نعمان ص ۳۴)

مگر یہ روایت ہے کہاں۔ جو اتنی صحیح ہے کہ صحیح سے صحیح تر روایت بھی اس کا صحت میں مقابلہ نہیں کر سکتی؟ امام ابن سعد کی مشہور کتاب الطبقات الکبریٰ ہے جس میں دو دفعہ امام صاحب کا تذکرہ ہے۔ مگر ان دونوں جگھوں میں اس روایت کا کوئی وجود نہیں۔

پھر سیف بن جابر کون ہیں جو علامہ شبلی صاحب کے نزدیک قاضی اور صحیح الروایت ہیں جن کا رجال کی مشہور کتابوں میں کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن المعلمیؒ جو قریبی دور کے نامور محقق ہیں وہ فرماتے ہیں۔

مطبوع طبقات میں یہ روایت میں نے نہیں دیکھی مجھے علم نہیں کہ یہ ابن سعد کی کسی اور کتاب میں ہو۔ یا یہ ایک الگ حکایت ہے جو کسی سند سے ابن سعد سے بیان ہوئی ہے اگر یہ کسی الگ سند سے بیان ہوئی ہے تو اس کی سند کا حال معلوم نہیں ہے۔ اور پھر نہ ہی میں سیف بن جابر کو جانتا ہو۔

(التنکیل ص ۱۷۹ ج ۱)

یہ وہ صحیح سے صحیح تر روایت سے بھی صحیح ہے جس کے نہ ماخذ کا علم نہ کامل سند کا اور پھر کمال یہ کہ احناف آج تک اس روایت کو اصل ماخذ اور پوری سند

کے ساتھ بیان نہیں کر سکے۔ اگر اس روایت کا کوئی ماخذ ہوتا تو وہ آج تک مجہول نہ رہتا اور اگر اس کی کوئی سند ہوتی تو وہ بھی کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہوتی۔ لہٰذا اس بے بنیاد روایت سے امام صاحب کے تابعی ہونے کا ثبوت مہیا کرنا اصول کے منافی ہے۔

ابن صلت کی روایت

اسی طرح ایک اور روایت بطریق ابن صلت بحوالہ تاریخ بغداد پیش کی جاتی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا میں نے انس کو دیکھا اور وہ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ امام صاحب کے سوانح نگاروں نے اس روایت کو بھی مقبولیت کا درجہ عطا فرما دیا ہے مگر یہ روایت محض جھوٹ کا پلندہ ہے امام خطیب بغدادی جنہوں نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے نے اس روایت کے بارہ میں یہ فیصلہ دیا ہے۔

اس روایت کو سوائے احمد بن صلت کے کسی اور نے بیان نہیں کیا اور نہ ہی ابو حنیفہ کا حضرت انسؓ سے سماع ثابت ہے۔ (تاریخ بغداد ص ۲۰۷ ج ۴)

ابن صلت کا تعارف

اس کا نام احمد بن محمد بن صلت بن مغلس حمانی ہے یہی وہ شخص ہے جس نے مناقب ابی حنیفہ کے نام سے کتاب تحریر کی تھی اس کتاب کو امام دار قطنی نے بارہا دفعہ پڑھا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کتاب تمام کی تمام جھوٹ ہے۔

(لسان المیزان ص ۲۷۰ ج ۱)

اس میں ایک یہ بھی بڑی خوبی تھی کہ وہ ان راویوں کا نام لے کر روایت کرتا تھا جو اس کی ولادت سے کئی سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔

جھوٹ کا ایسا ماہر کہ محدثین کرام نے اس پر کئی دفعہ جھوٹ کا تجربہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ جھوٹوں میں سے بھی نمبر ایک بے حیاء ہے۔ امام ابن عدی نے

کذابوں میں اس کے بے حیا ہونے کی شہادت دی ابو الفوارس نے کہا یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں میں ایک دفعہ اس کے پاس گیا تو اس نے یحیٰی بن سلیمان کے واسطہ ابن عمر سے ایک روایت بیانکی جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حدیثیں وضع کرتا ہے اور ایسے لوگوں سے روایتیں بیان کرتا ہے جن کے بارہ میں میرا گمان ہے کہ اس نے ان کو دیکھا تک نہیں ہے۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں یہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ امام حاکم بھی فرماتے ہیں یہ وضع کا دھندہ کرتا تھا امام خطیب بغدادی نے بھی اس کے حدیثیں وضع کرنے کی شہادت دی ہے خصوصا اس نے امام صاحب کے فضائل میں تو بہت سی حدیثیں وضع کی ہیں۔ جن میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں حج کیا تو وہاں میں نے عبداللہ بن حارث بن جزء کو دیکھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء مصر میں فوت ہوئے ہیں اس وقت ابو حنیفہ کی عمر صرف چھ سال تھی۔

یہ بشیر بن ولید کا نام لے کر حدیث گھڑتا ہے۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں۔
ابو حنیفہ کی کسی ایک صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(لسان ملخصا ص ۲۷۰ تا ص ۲۷۳)

ائمہ محدثین کرام نے ابن صلت کے کذاب اور وضاع ہونے کی تفصیل دے دی ہے۔ اور پھر خصوصا امام صاحب کے مناقب میں تو اس نے کذب بیانی کے وہ جوہر دکھائے کہ تمام سے نمبر لے گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین کرام میں سے کسی ایک امام نے بھی اس کی توثیق و تعدیل میں ایک کلمہ نہیں کہا بلکہ اس کا جس نے بھی ذکر کیا اسے کذاب اور وضاع ہی کہا ہے بھلا ایسے کذاب سے صدق بیانی کی امید ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں یہ روایت بھی اس کی خود ساختہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

چند اور صحابہؓ سے ملاقات کا دعویٰ

متاخرین احناف خصوصا علامہ کوثری کی تحریک کے ارکان امام صاحب کی ملاقات اور روایات کا چند اور صحابہ کرام سے ملاقات کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو ۷۸ھ کو یعنی امام صاحب کے پیدا ہونے سے دو سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت اور روئیت کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ صحابی ۵۴ھ کو یعنی امام صاحب کی پیدائش سے چھبیس سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اسی طرح امام صاحب کی حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا بھی دعویٰ کیا جاتا ہے جبکہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ ۸۸ھ کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے تھے جبکہ امام صاحب کی عمر صرف آٹھ سال تھی اور انہوں نے ابھی مدینہ منورہ نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ حضرت سہل ۸۰ھ کے بعد کبھی کوفہ تشریف لائے ہوں۔ اور امام صاحب ان کی زیارت سے مشرف ہوئے ہوں۔

اسی طرح حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے بھی امام صاحب کی ملاقات کسی مستند اور معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت طارق بن شہاب بجلی رضی اللہ عنہ سے بھی امام صاحب کی ملاقات کا دعویٰ کیا جاتا ہے مگر یہ بھی محض خیال ہے عالم وجود میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اس لئے کہ حضرت طارق ۸۲ یا ۸۳ کو فوت ہو گئے ہیں جبکہ امام صاحب کی عمر دو یا تین سال تھی۔

اسی طرح عائشہ بنت عجرد سے بھی براہ راست روایت کا دعویٰ کیا جاتا ہے مگر یہ عائشہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں امام ابن اثیر فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن معین نے روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ فقیہ جو اہل الرائی سے ہیں انہوں نے عائشہ سے سنا وہ فرماتی تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ زمین میں اللہ کا سب سے زیادہ لشکر مکڑی ہے۔ الحدیث۔ اور یہ روایت ابوحنیفہ سے بطریق عثمان بن راشد ہے وہ عائشہ سے بیان کرتے ہیں اور عائشہ اس کو ابن عباس

سے بیان کرتی ہیں۔ اور یہ تابعیوں میں سے ہیں جس کا بہت سے علماء نے ذکر کیا ہے جن میں ابو موسیٰ بھی ہیں۔ (اسد الغابہ ص ۵۰۵ ج ۵)

امام ابن اثیر کے اس قول سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں اولاً کہ امام صاحب نے اس روایت کو براہ راست عائشہ سے اور عائشہ نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور دوسری سند کے مطابق امام صاحب نے اس روایت کو عثمان بن راشد کے واسطہ عائشہ سے اور عائشہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یعنی اس میں اضطراب ہے کہ امام صاحب کبھی تو عائشہ سے بغیر واسطہ کے بیان کرتے ہیں اور کبھی ایک واسطہ کے ساتھ' اس طرح عائشہ کبھی تو رسول اللہ ﷺ سے بغیر واسطہ کے اور کبھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا درمیان میں واسطہ ذکر کرتی ہیں جس سے اس روایت کی صحت مشکوک اور مخدوش ہو جاتی ہے دوسری بات یہ کہ حضرت عائشہ بنت عجرد صحابیہ نہیں بلکہ تابعیہ ہیں لہٰذا اس روایت کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ عائشہ اس روایت کو سمعت رسول اللہ ﷺ یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کے الفاظ سے بیان کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ تابعیہ ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہی نہیں۔

امام صاحب کا اپنا اعتراف

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں امام صاحب کا اپنا کوئی فرمان یا فیصلہ نہیں تھا بلکہ متاخرین احناف حضرات کے قول و اقوال تھے اب ہم آپ کی سامنے امام صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں جناب عبداللہ بن داؤد جزبی فرماتے ہیں میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا آپ نے اکابر میں سے کن کن حضرات کو پایا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ سالم۔ طاؤس۔ عکرمہ۔ مکحول۔ عبداللہ بن دینار۔ حسن بصری۔ عمرو بن دینار۔ ابوالزبیر عطاء۔ قتادہ۔ ابراہیم نخعی۔ شعبی۔ ابو عمرو۔

نافع اور ان کے ہم مثل ائمہ (رحمہم اللہ اجمعین) کو پایا ہے۔
(شرح جامع المسانید ص ۹۶)

اور کسی موقعہ پر فرمایا۔

مارایت فیمن رائیت افضل من عطاء ولا اکذ ب من جابر الجعفی۔

(میزان ص ۳۸۰ ج ۱)

میں نے عطاء سے بہتر اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔ ان دونوں عبارتوں کا **مستفاد** یہ ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا اگر کسی صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہوتی تو وہ ان کو اکابر کی فہرست میں سب سے پہلے ذکر کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جب ایک سوال کے جواب میں انہوں نے عظام کا ذکر فرمایا تو ان میں سے کسی ایک صحابی کا ذکر نہیں کیا بلکہ تمام تابعین ہی ہیں جن کا ذکر فرمایا ہے۔ بہتر شخص جن سے امام صاحب کو شرف ملاقات ہوا بقول امام صاحب وہ حضرت عطاء تابعی ہیں اگر کسی صحابی سے ان کو شرف ملاقات ہوا ہوتا تو وہ حضرت عطاء کے بجائے اس صحابی کا ذکر کرتے کیونکہ صحابی بہرحال تابعی سے افضل اور بہتر ہے۔

الغرض امام صاحب کی تابعیت کے اثبات پر جتنے دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ اسی طرح وہ تمام روایات جو جامع المسانید میں امام صاحب نے صحابہ کرام سے بلاواسطہ بیان کی ہیں وہ سب مکذوبہ ہیں اس لئے کہ جامع المسانید کے راوی محدثین کے نزدیک کذاب ہیں۔

مذہب

امام صاحب نے جس علاقہ اور فضا میں پرورش پائی اور علمی پروان چڑھا وہ معتزلہ اور متکلمین کی فضا تھی اگرچہ علم حدیث بھی تھا مگر حجاز اور شام کی نسبت کم تھا امام صاحب کے مربی اور استاذ امام حماد بن ابی سلیمانؒ پہلے پہل تو میلان حدیث

کی طرف رکھتے تھے پھر آہستہ آہستہ معتزلہ اور متکلمین کے قریب ہوتے گئے حتیٰ کہ آخر میں محدثین کا طریق ترک کر کے ارجاء کے نظریہ کو قبول کر لیا اور پھر اسی پر کاربند رہے۔ ان میں یہ انقلاب امام نخعی کی وفات کے بعد آیا امام نخعی کے شاگرد اور امام حماد کے ہم عصر امام مغیرہ فرماتے ہیں۔

لما مات ابراهيم جلس الحكم واصحابه الى حماد حتىٰ احد ث ما احد ث يعنى الارجاء۔ (کتاب الجرح والتعدیل ص ۱۴۶)

جب امام ابراہیم نخعی فوت ہو گئے تو جناب حکم اور ان کے ساتھیوں نے امام حماد کی مجلس اختیار کی حتیٰ کہ امام حماد مرجی ہو گئے۔

مرجئ کی تعریف

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ جو اس کمیٹی کے رکن بتلائے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔

ان اهل الارجاء يقولون ان الا يمان قول بلا عمل۔

(کتاب السنہ ص ۳۰۵ ج ۱)

مرجئ کہتے ہیں ایمان صرف قول کا نام ہے۔ عمل اس میں شامل نہیں۔ مولانا سہارنپوری حنفی محشی صحیح بخاری ناقل ہیں۔ مرجئ وہ ہیں جو عمل کو موخر رکھتے ہیں یا پھر وہ امید لئے ہوتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ اور معصیت نقصان نہیں دیتی۔ وہ اعمال کو ایمان سے صرف اس گمان سے موخر رکھتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق نہیں ہے۔ نیز' مرجیہ کا خیال ہے کہ صدیقین کا ایمان اور (عام) دوسرے لوگوں کا ایمان ایک ہی درجہ پر ہے۔ (حاشیہ بخاری ص ۱۲)

امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مرجیہ کا خیال ہے کہ ایمان صرف قول ہے بغیر عمل کے۔ ایمان کی شہادت صرف زبان سے کافی ہے۔ تمام لوگ اپنے ایمان میں برابر ہیں۔ لوگوں کا ایمان'

فرشتوں اور نبیوں کے ایمان کے برابر ہے اور نہ ہی ایمان میں کمی و بیشی ہے۔ وہ ایمان میں انشاء اللہ کہنا درست نہیں سمجھتے۔ جس نے صرف زبان سے ایمان کا اقرار کر لیا اور عمل کے قریب تک نہ گیا وہ بھی پکا ایماندار ہے۔

(تعلیق علی کتاب السنہ ص ۳۰۷ ج ۱)

امام احمدؒ کی مذکورہ تعریف سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

ایمان صرف زبان کے اقرار کا نام ہے۔

تمام مسلمان ایمان میں برابر ہیں۔

اور ان کا ایمان نبیوں اور فرشتوں کے برابر ہے۔

ایمان میں انشاء اللہ (میں انشاء اللہ ایماندار ہوں) کہنا درست نہیں۔

ایمان میں کمی و بیشی نہیں۔

اہل سنت کے نزدیک ایمان کی تعریف و حدود

امام بغویؒ فرماتے ہیں۔

اتفقت الصحابة والتابعون فمن بعدهم من علماء السنة على ان الاعمال من الايمان۔ وقالوا ان الايمان قول و عمل وعقيدة يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية (شرح السنہ ص ۳۹ ج ۱)

تمام صحابہؓ اور تابعین کرامؒ اور جو بھی ان کے بعد اہل سنت علماء ہیں ان سب کا اتفاق ہے کہ اعمال ایمان سے ہیں۔ ایمان قول، عمل اور عقیدہ کا نام ہے جو اطاعت سے بڑھتا ہے گناہ اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو بڑھتا رہتا ہے مگر زنا، شراب خوری سے اس میں کمی آجاتی ہے۔ (کتاب السنہ ص ۳۰۷ ج ۱)

امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری فرماتے ہیں۔

هو قول و فعل يزيد وينقص على ما ناطق به القرآن فى الزيادة وجاء فى الحد يث بالنقصان فى وصف النساء

ایمان قول اور فعل کا نام ہے وہ بڑھتا اور کم ہوتا ہے قرآن نے زیادہ کا اعلان کیا ہے اور حدیث میں کمی کا ذکر ہے۔ (بخاری ص ۵)

حق کیا ہے؟

اس مسئلہ میں بھی حق اہل سنت کے ساتھ ہے وہ یہ کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو اطاعت کے کاموں سے بڑھتا ہے اور گناہ و معصیت کے امور سے کم ہو جاتا ہے زیادہ ہونے کی وضاحت قرآن کریم میں متعدد مقامات پر موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم (الفتح ۴)

تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ اور ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔

اور فرمایا۔ **ويزيد الله الذين اهتد وا هد ى** (مریم ۷۶)

والذ ين اهتد وا زاد هم هد ى واتاهم تقوهم (محمد ۱۷)

اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت میں زیادہ کرتا ہے جو ہدایت طلب کرتے ہیں۔ ۲۔ اور وہ لوگ جو ہدایت طلب کرتے ہیں اللہ ان کو ہدایت میں زیادہ کر دیتا ہے۔ ۳۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایمان میں زیادہ کر دیتا ہے۔

اور فرمایا۔ **ايكم زادته هذه ايمانا۔فاما الذين امنوا فزادتهم ايمانا** (التوبہ ۱۲۴)

بعض کہتے ہیں تم میں کون ہے جس کا اس سورت نے ایمان بڑھا دیا۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں پس ان کو اس سورت نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور فرمایا:

فاخشوهم فزادهم ايمانا۔ (آل عمران ۱۷۳)

لوگوں نے ایمانداروں سے کہا۔ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں تم ان

سے ڈر جاؤ۔ پس اس بات نے ایمانداروں کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور فرمایا۔ **وما زاد هم الا ایمانا وتسلیما** ○ (الاحزاب ۲۲) اور نہیں زیادہ کیا ان کو مگر ایمان اور تسلیم نے۔

ان تمام آیات سے واضح ہے کہ ایمان اطاعت اور نیک اعمال کرنے سے بڑھتا ہے۔

امام بخاری نے ان مذکورہ آیات اور اس باب کے متعلقہ بہت سی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کا ذکر طوالت کا سبب ہے جو شخص بھی اس مسئلہ سے کماحقہ واقف ہونا چاہتا ہے وہ صحیح بخاری کتاب الایمان کا مطالعہ کرے انشاء اللہ اسے واضح ہو جائے گا کہ مرجیہ کا موقف قرآن و حدیث کے واضح نصوص کے خلاف ہے صحیح موقف محدثین کرام کا ہی ہے جو قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے موقف کے عین مطابق ہے اور اس موقف کو اپنانے والوں کا نام اہلسنّت یا اہل حدیث ہے۔

اہل سنت اور مرجیہ کا اختلاف

آپ نے اہل سنت کا موقف بھی معلوم کر لیا ہے اور مرجیہ کا بھی۔ جس سے ہر ذی شعور ان دونوں فرقوں کے اختلافات کو بخوبی معلوم کر لیتا ہے تاہم آپ کے سامنے ہم امام سفیان ثوری جو اہل سنت کے بہت بڑے امام تھے کے ریمارک پیش کرتے ہیں جس سے مسئلہ کی توضیح بخوبی ہو جائے گی۔ امام ثوری فرماتے ہیں۔

خالفتنا المرجیئة فی ثلاث نحن نقول الایمان قول و عمل هم یقولون الایمان قول بلا عمل و نحن نقول یزید و ینقص وهم یقولون لا یزید ولا ینقص نقول نحن مومنون بالاقرار وهم یقولون نحن مومنون عند اللہ۔ (حلیتہ الاولیاء ص ۲۹ ج ۷)

مرجیہ نے ہماری (اہل سنت کی) تین امور میں مخالفت کی ہے ہم کہتے ہیں کہ

ایمان قول اور عمل ہے وہ کہتے ہیں ایمان صرف قول ہے عمل نہیں۔ ہم کہتے ہیں وہ زیادہ اور کم ہوتا ہے اور مرجیہ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ اور کم نہیں ہوتا۔ ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ ہم اقرار کے ساتھ ایماندار ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم عنداللہ ایماندار ہیں۔

امام سفیان بن عیینہؒ جو امام صاحب کے ہم عصر اور مشہور محدث و فقیہ اور اہل سنت کے بالاتفاق امام ہیں فرماتے ہیں۔

ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل ہے۔ جبکہ مرجیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف قول ہے اور وہ ہر اس شخص کے لئے جنت کو واجب قرار دیتے ہیں جو صرف **لا الہ الا اللہ** کا اقرار کرتا ہے خواہ وہ فرائض کے ترک پر پورا اصرار کرے۔ وہ فرائض کے ترک کو صرف گناہ کہتے ہیں۔ ملخصا"۔

(کتاب السنہ ص ۳۴۸ ج ۱)

امام فضیل بن عیاضؒ نے اہل سنت اور مرجیہ کے مابین اختلافی امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو کافی لمبی ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ۔

اہل بدعت (مرجیہ) کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار بلا عمل ہے اور ایمان ایک ہی ہے۔ لوگوں میں تفاضل ایمان کی وجہ سے نہیں اعمال کی وجہ سے ہے جو شخص بھی مرجیہ کا نظریہ رکھتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کرتا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل **لا الہ الا اللہ** ہے اور سب سے کم درجہ تکلیف دہ چیز کا رستہ سے دور کرنا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

جو کہتا ہے کہ ایمان میں تفاضل نہیں اس کی مراد یہ ہے کہ فرائض (نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج) ایمان میں شامل نہیں ہیں۔ تو ان بدعتیوں نے عمل کو ایمان سے جدا کر دیا۔ اور برملا کہا کہ فرائض ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ جس کا بھی یہ نظریہ ہے اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ فرائض کے اس انکار کی

وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کا رد کرنے والا نہ ہو جائے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عمل کو ایمان سے جوڑا ہے اور فرائض بھی بلاشبہ ایمان سے ہیں تو اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے **والذ ین امنوا وعملوا الصالحات** آیت میں عمل کو ایمان کے ساتھ موصول کیا ہے مگر مرجی کہتے ہیں کہ عمل ایمان سے منقطع ہے۔ (کتاب السنہ ص ۳۷٦ ج ۱)

ان ائمہ عظام کی تصریحات سے اہل سنت اور مرجیہ میں جو بنیادی فرق ہے وہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرجی کہتے ہیں کہ عمل ایمان میں داخل نہیں۔

ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں۔

فرائض کا تارک صرف گناہ گار ہے کافر نہیں۔

جبکہ اہل سنت ان تمام مسائل میں مرجیہ کے خلاف ہیں۔

نظریہ احناف

ائمہ احناف کے عقائد پر قدیم و جدید لکھی جانے والی کتابوں میں ایمان کے بارہ میں جو نظریہ بیان ہوا ہے وہ اہل سنت سے ہٹ کر مرجیہ والا ہے جس کی کچھ تفصیل یوں ہے کہ احناف کے عقائد پر قدیمی کتاب عقیدہ طحاویہ ہے اور اس کے مولف امام طحاوی امام صاحب کے قریبی دور کے معروف حنفی امام ہیں۔ انہوں نے بھی احناف کا یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ **الایمان ھوالا قرار باللسان والتصد یق بالجنان۔ وقال ایضا۔**

والا یمان واحد واھله فی اصله سواء۔ (عقیدۃ الطحاویہ ص ۱۹)

ایمان زبان کا اقرار اور تصدیق بالجنان ہے ایمان صرف ایک ہی ہے اور تمام ایماندار اصل ایمان میں برابر ہیں۔

عقیدہ طحاویہ کے شارح علامہ ابن العز حنفی اس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

طحاوی نے جو بیان کیا ہے یہ ہمارے اکثر احناف کا عقیدہ ہے اور بعض تو یہ

کہتے ہیں کہ زبان سے اقرار بھی زائد ہے اصلی رکن نہیں۔ اس کی طرف ابو منصور ماتریدی گئے ہیں اور یہی کچھ امام صاحب سے بیان کیا جاتا ہے۔

(شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۳۳۲)

امام صاحب کی طرف منسوب کتاب فقہ اکبر بھی اس قسم کے نظریہ کو پیش کرتی ہے جیسا کہ اس میں مرقوم ہے۔ **وایمان اهل السماء والارض لا یزید ولا ینقص من جهة المومن به ویزید وینقص من جهة الیقین والتصدیق والمومنون مستوون فی الایمان والتوحید متفاضلون فی الاعمال۔**

(فقہ اکبر مع شرح ص ۳۱)

تمام آسمان اور زمین والوں کے ایمان میں مومن بہ کے اعتبار سے کوئی کمی و بیشی نہیں۔ ہاں یقین اور تصدیق کے لحاظ سے ہے۔ ایمان اور توحید میں تمام ایماندار برابر ہیں ہاں عملوں میں متفاضل اور درجہ بدرجہ ہیں۔

فقہ اکبر کے شارح علامہ مغنیاوی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ان العمل الصالح لیس جزا" من الایمان لان العمل یزید وینقص۔

(شرح فقہ اکبر ۳۱)

نیک اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں اس لئے کہ عمل میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

ملا علی قاری جو معروف حنفی فقیہ۔ محدث اور فقہ اکبر کے شارح ہیں وہ اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں۔

وایمان اهل السماء ای من الملائکة واهل الجنة والارض ای من الانبیاء والا ولیاء وسائر المومنین من الا برار والفجار۔

(شرح فقہ اکبر ص ۸۷)

اہل آسمان یعنی فرشتوں اور اہل جنت اور اہل ارض یعنی انبیاء' اولیاء اور تمام ایماندار اور نیک یا بد سب کا ایمان برابر ہے۔

ائمہ عظام، امام سفیان، امام ثوری اور امام فضیل کے اقوال کی روشنی میں جو انہوں نے اہل سنت اور مرجیہ میں فرق کے طور پر فرمائے ہیں بعینہ آئمہ احناف کی یہ عبارتیں مرجیہ کے عقائد سے مناسبت اور مطابقت رکھتی ہیں جو مرجیہ کے عقائد ہیں ان اقوال کی روشنی میں احناف کے بھی وہی عقائد ہیں۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے الجامع الصحیح میں اس نظریہ کی پرزور تردید کی ہے اور صحیح کی کتاب الایمان میں ان کے عقائد کو کتاب و سنت کے صریح دلائل سے باطل ثابت کیا ہے۔ ایک مقام پر تو مشہور تابعی امام ابن ابی ملیکہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

میں نے تیس صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو پایا وہ تمام اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے اور ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو یہ کہتا ہو کہ میرا ایمان جبرئیل اور میکائیل کے ایمان کے برابر ہے۔ (بخاری ص ۱۲)

سلف صالحین کی شہادتیں

موجودہ احناف کو تسلیم ہے کہ ایمان کے بارہ میں امام صاحب اور موجودہ احناف کا یہی نظریہ ہے کہ ایمان میں کمی اور بیشی نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ان کے نزدیک جامد شئے ہے اور انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہی نظریہ مرجیہ کا ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں احناف مرجیہ کے متبع ہیں مگر یہ خود کو مرجیہ کہلانا پسند نہیں کرتے۔ ہاں سلف صالحین خصوصا امام صاحب کے ہم عصر۔ ان کے تلامذہ اور ان کے بعد کے معروف اور نقاد محدثین نے امام صاحب کے بارہ میں ایسے ہی تاثرات بیان کئے ہیں کہ وہ مرجی المذہب تھے اور اس بارہ میں، ائمہ کرام کی تعداد اتنی کثرت سے ہے جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے ہم یہاں صرف چند معروف اور قابل اعتماد ائمہ کرام کے اقوال اور ان کی شہادات کو پیش کرتے ہیں اور یہ شہادتیں ایسی

ہیں جن کی اسناد صحیح ثابت ہیں۔

(۱) عبداللہ بن مبارک م ۱۸۱ھ

موصوف امام صاحب کے اخص تلامذہ اور اس مزعومہ کمیٹی کے اہم رکن شمار کئے جاتے ہیں اس کے ساتھ وہ قابل اعتماد بلند پایہ اور ثقہ محدث و فقیہ تھے۔ ان کا مشاہدہ اور تجربہ یہی تھا کہ امام صاحب مرجی مذہب کے حامل تھے۔ امام ابراہیم بن شماس سرقندی فرماتے ہیں۔

ہم امام عبداللہ بن مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ایک آدمی نے کہا ابوحنیفہ مرجی تھے جو سلطان وقت کے خلاف تلوار نکالنا جائز سمجھتے تھے۔ امام عبداللہ بن مبارک نے اس پر کوئی نکیر نہ کی۔ (کتاب السنہ ص ۱۸۲ و ۲۱۳ ج ۱)

امام عبیدہ فرماتے ہیں۔

ایک شخص نے امام ابن مبارک سے امام صاحب کے بارہ میں پوچھا کیا ان میں بھی کوئی بدعت تھی تو انہوں نے فرمایا۔ جی ہاں ارجاء تھا۔

(تاریخ بغداد .سند حسن ص ۳۸۰ ج ۱۳)

(۲) امام حماد بن زید م ۱۷۹ھ

معروف محدث تھے صحاح ستہ بلکہ تمام حدیث کی معروف کتابوں کے مرکزی راوی ہیں ان سے امام اسحاق بن عیسیٰ طباع (م ۲۱۴) نے امام صاحب کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ **انما ذاک یعرف بالخصومة فی الارجاء۔**

(کتاب السنہ ص ۲۰۳ ج ۱)

یہ تو ارجاء کے مسئلہ میں مشہور مناظر تھے۔

(۳) امام وکیع بن جراح م ۱۹۸ھ

امام صاحب کے معروف شاگرد۔ عظیم محدث اور فقیہ تھے اور اس مزعومہ

کمیٹی کے رکن گردانے جاتے ہیں ان سے کسی نے امام صاحب کے عقیدہ کے بارہ میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا۔

کان مرجیا یری السیف۔ (عقیلی ص ۲۸۳ ج ۴)

وہ مرجی تھے جو تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔

(۴) امام ابو اسحاق فزاری م ۱۸۶ھ

معروف محدث تھے وہ بھی فرماتے ہیں۔

ابو حنیفہ مرجی تھے اور تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔

(کتاب السنہ ص ۲۰۷ و ص ۲۱۸ ج ا و عقیلی ص ۲۸۳ ج ۴)

(۵) امام یوسف بن اسباط م ۱۹۵ھ

ثقہ محدث تھے وہ بھی فرماتے ہیں۔

ابو حنیفہ مرجی تھے اور تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔ (عقیلی ص ۲۸۳ ج ۴)

(۶) امام ابو عبدالرحمٰن المتوفی ۲۱۳ھ

مشہور محدث۔ امام صاحب کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ گرامی تھے فرماتے تھے۔

کان واللہ ابو حنیفہ مرجیئا دعانی الی الارجاء ما بیت علیہ۔

(کتاب السنہ ص ۲۲۳ ج ا و الکامل ص ۲۴۷۵ ج ۷)

اللہ کی قسم ابوحنیفہ مرجی تھے اور انہوں نے مجھے بھی اس کی دعوت دی مگر میں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے مرجی بننے سے انکار کر دیا۔

(۷) امام یحییٰ بن معین م ۲۳۳ھ

مشہور محدث جرح و تعدیل کے مسلم امام اور عندالاحناف حنفی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ بھی فرماتے ہیں۔

كان ابو حنيفة مرجيئا وكان من الد عاة ولم يكن فى الحد يث بشئى وصاحبه ابويوسف ليس به باس۔ (کتاب السنہ ص ۲۲۶ ج ۱)

ابوحنیفہ مرجی تھے اور اس کی دعوت دینے والوں میں سے تھے حدیث میں کوئی چیز نہیں ان کے شاگرد قاضی ابویوسف میں حرج نہیں ہے۔

(۸) امام بخاری م ۲۵۶ ھ

امیر المومنین فی الحدیث اور کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب کے مولف ہیں وہ فرماتے ہیں۔

کان مرجیا سکتواعنہ۔ (تاریخ کبیر ص ۸۱ ج ۸)

(۹) امام خطیب بغدادی م ۴۶۳ ھ

معروف محدث۔ تاریخ رجال کے امام اور تاریخ بغداد کے مولف ہیں فرماتے ہیں۔

ابوحنیفہ مرجی تھے۔ (تاریخ بغداد ص ۳۸۲ ج ۱۳)

تاریخ بغداد کو جو علمی دنیا میں شہرت حاصل ہے وہ کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے مگر بعض حضرات نے حاشیہ کے نام سے جو اس کتاب پر جراحی عمل کیا ہے وہ اصول اور انصاف سے بہت دور ہے امام بغدادی نے اس معروف کتاب میں امام صاحب کے ترجمہ میں بہت شرح و بسط سے کام لیا ہے پہلے ان کے مناقب اور فضائل بیان کئے ہیں اور بعد میں امام صاحب کے بارہ میں ائمہ عظام نے جو کلام کیا ہے اس کو واضح کیا ہے اور یہ دونوں پہلو انہوں نے اسناد سے بیان کئے ہیں اس میں تو شک نہیں کہ دونوں پہلوؤں میں کچھ ایسی اسناد بھی پائی جاتی ہیں جو قابل اعتماد اور قابل حجت نہیں ہیں مگر تاریخ بغداد کے محشی نے فضائل کے باب میں تو کسی سند کو ہاتھ تک نہیں لگایا حالانکہ ان میں بعض کا موضوع اور من گھڑت ہونا روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے مگر جب مثالب کا باب آیا تو ایسی تیزدھار چھری ہاتھ میں پکڑی کہ اللہ کی پناہ۔ ثقہ، ثبت بلکہ اوثق اور اثبت محدثین اور فقہاء عظام کو بھی اس

(۱۰) امام ابن حبان م ۳۵۴ ھ

فرماتے ہیں ابو حنیفہ مرجی مذہب کے داعی تھے (کتاب المجروحین ص ۶۳ ج ۳)

امام صاحب کا مرجی مذہب کے ہم خیال ہونا اس قدر واضح ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں ہم نے بیسیوں شہادتوں میں صرف دس کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور ان کو ایسے ثقہ راویوں کے حوالہ جات سے مزین کیا ہے جن کی صحت میں کوئی شک اور شبہ نہیں اور یہ ایسی شہادتیں ہیں جن کا رد کرنا اصول کی روشنی میں آسان بھی نہیں ہے۔

تالیفات

آج بازار میں چند ایسی کتابیں بھی دستیاب ہیں جن کی تالیفی اور تصنیفی نسبت امام صاحب کی طرف کی جاتی ہے جامع المسانید کے نام سے ایک حدیث کا مجموعہ ہے جس کی زیادہ تر روایات کذب و اختراع کے ضمن میں آتی ہیں' کو امام صاحب کی کتاب کہا جاتا ہے اسی طرح چند اور کتابیں مثلا ایک وصیت کے نام سے کتب فروشوں نے دریافت کی ہے مگر محقق حنفی علماء حضرات ان کتابوں کو امام صاحب کی تصانیف قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا یہی موقف ہے کہ یہ کتابیں امام

سے مخدوش اور مجروح کرنے کی پوری کوشش کی۔ حالانکہ ان میں ایسے نامور محدثین کرام بھی ہیں جن کی ثقاہت اور امامت پر اہل فن کا اجماع اور اتفاق ہے اور پھر وہ بذات خود بھی ایسے اہل فن تھے کہ انہوں نے انصاف کے دامن کو کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ خصوصا مسئلہ ارجاء میں تو محشی حضرات نے تمام کو مطعون قراردیا حالانکہ قدیم و حدیث مصنفین احناف کی کتابوں میں بھی وہ کچھ ہے جو ان برگزیدہ اور مقدس ہستیوں نے ائمہ احناف کے بارہ میں بیان کیا ہے۔ اور پھر حیف کہ ان قابل اعتماد اصحاب فن کو مجروح قرار دینے کے لئے ایسے اصول اختراع کئے جن سے متقدمین واقف تک نہ تھے۔

صاحب کی طرف منسوب ہیں آج دنیا میں امام صاحب کی تصنیف کردہ کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ سید انور شاہ کاشمیری نے فیض الباری شرح صحیح بخاری ص ۲۰۲ ج اول میں جامع المسانید کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کیا ہے اور واضح طور پر فرمایا ہے کہ یہ خوارزمی کی ہے جو مسند امام کے نام سے معروف ہے۔ اسی طرح فقہ اکبر کو بھی امام صاحب کی تالیف قرار نہیں دیا بلکہ ابو مطیع بلخی کی تصنیف قرار دیا ہے اور اس کے بارہ میں خود فرما دیا ہے کہ یہ حدیث کے باب میں حجت نہیں اس لئے کہ یہ ناقد نہیں۔ (فیض الباری ص ۵۹ ج ۱)

قدرے تفصیل سے ایسے خیالات کا اظہار علامہ شبلی نعمانی نے بھی فرمایا ہے اور سخت انکار کیا ہے کہ جو آج امام صاحب کے نام سے کتابیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں وہ امام صاحب کی قطعاً نہیں ہیں۔ امام صاحب کی طرف منسوب بارہ کتابوں کی فہرست دے کر فرماتے ہیں۔

انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے مزید فرماتے ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں۔

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے وہ بھی اکثر تیسری' چوتھی یا اس کے بھی بعد کی ہیں۔ حماد' قاضی ابویوسف البتہ امام صاحب کے ہم عصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابوحنیفہ کا مسند کہا جا سکتا تھا لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسند خوارزمی کو طبقہ رابعہ میں شامل کیا ہے جو محدثین کے ہاں قابل اعتماد نہیں ہیں کیونکہ ان میں اکثر موضوع اور من گھڑت روایات پائی جاتی ہیں) پر تبصرہ کرتے ہوئے شبلی صاحب فرماتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی

نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے ان کا نہ وہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں' جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن ان کی احادیث کا امام صاحب تک سند صحیح متصل پہنچنا مشتبہ ہے۔

فقہ اکبر کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گئے۔

میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔

اور آخر میں فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔ (سیرت نعمان ص ۱۴۵)

علامہ انور شاہ اور علامہ شبلی نعمانی کی عبارات سے واضح ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے نزدیک امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں وہ ان کی نہیں ہیں بلکہ مسند تو خوارزمی نے ساتویں صدی میں لکھی اور منسوب امام صاحب کی طرف کر دی اسی طرح فقہ اکبر ابو مطیع نے لکھی یا بقول نعمانی صاحب اس کے لکھنے والے کا پتہ نہیں اور وہ بھی آہستہ آہستہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گئی۔ الغرض امام صاحب کی دنیا جہان میں کوئی کتاب موجود نہیں۔

مناظرانہ ذوق

علامہ شبلی نعمانی اور دیگر حنفی مصنفین حضرات جنہوں نے امام صاحب کی سیرت نگاری میں قلم اٹھایا ہے وہ امام صاحب کے مناظرانہ انداز کو بڑی اہمیت سے بیان کرتے ہیں اور ان مناظروں سے امام صاحب کا استحضار' جودت طبع' وسعت معلومات اور علم کلام میں مہارت ثابت کرتے ہیں۔ ہمیں اس سے انکار کی

ضرورت بھی کیا ہے امام صاحب ان تمام اوصاف کے حامل ہوں گے مگر ان تمام باتوں کے باوجود علامہ شبلی نعمانی صاحب کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں۔

اس مقام پر یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مناظروں اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت بے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے ان کو اپنی تالیف میں نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کے لئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔

پھر نعمانی صاحب نے صرف ایک صفحہ کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ کہہ کر ان مناظروں کو نقل کرنے کا سلسلہ ازخود بھی شروع کر دیا کہ

اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقع زیادہ پیش آئے انہوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کئے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے اس لئے ظاہر بینوں کا ایک بڑا گروہ جن میں بعض مقدس اور سادہ دل بھی شامل تھے ان کا مخالف ہو گیا اور ہمیشہ ان سے بحث و مناظرہ کے لئے تیار رہتا تھا امام صاحب کو بھی مجبوراً ان کے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے۔ (سیرت نعمان ص ۱۰۹)

علامہ نعمانی صاحب نے امام صاحب کے مناظرے کرنے کی جو وجہ بیان کی ہے کہ انہیں اس پر مجبور کیا تھا تاریخی طور پر اس کا ثبوت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہاں یہ تو بات ہے کہ کوفہ کی فضا معتزلہ وغیرہ سے معمور تھی جو اپنا سارا زور نقل کے بجائے عقلی مباحث میں دکھاتے تھے اور یہ کوئی بعید نہیں کہ امام صاحب بھی ان کے اس انداز سے متاثر ہوئے ہوں۔

نعمانی صاحب نے بھی اپنی تالیف سیرت نعمان میں امام صاحب کے مناظروں کو عوام کے سامنے رکھنے کا پروگرام بنایا تھا مگر وہ ایک محقق ہونے کی وجہ سے یہ اعتراف کر چکے تھے کہ امام صاحب کی طرف اکثر مناظرے منسوب ہیں جن کا

حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مگر پھر بھی انہوں نے اس کا جواز ان الفاظ سے نکال لیا۔ فرماتے ہیں۔

بعض مصنفوں نے ان کی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھ دیئے ہیں جن کو خدانخواستہ ہم سچ تسلیم کر لیں تو عیاذ باللہ امام صاحب کو حیلہ جو' چالاک' متفنی' سخن ساز ماننا پڑے گا لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں ہیں اور اس وجہ سے اہل تحقیق خصوصا محدثین نے ان کے لکھنے سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے ہم بھی ان کو قلم انداز کرتے ہیں اور ان ہی روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔ (سیرت نعمان ص ۱۰۹)

یعنی نعمانی صاحب نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ امام صاحب کی ذہانت کے شہرہ کو اجاگر کرنے کے لئے جو عام حنفی مصنفین نے مناظرے تحریر کئے ہیں وہ تاریخی اور فنی لحاظ سے ثابت نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین کرام نے ان کے لکھنے سے پرہیز کیا ہے گویا کہ انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ محدثین کرام نے امام صاحب کے بارہ میں بے سروپا باتیں بیان نہیں کیں۔

پھر نعمانی صاحب نے امام صاحب کے ان متعدد مناظروں کو حوالہ قرطاس کیا ہے جو تقریبا سیرت نعمان کے پینتیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں اکثر بلکہ تمام ہی (القلیل کالمعدوم) کو انہوں نے لکھتے وقت حوالہ سے مزین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ وہ ان کے ظن غالب میں صحیح ہیں پھر ان مناظروں میں امام صاحب کے مدمقابل فریق اس وقت کے تمام اکابر جیسے امام ثوری' ابن ابی لیلیٰ' ابن شبرمہ' اوزاعی' قتادہ بصری' ضحاک' قاضی یحییٰ بن سعید انصاری' قاضی شریک کو امام صاحب کے سامنے شکست و ریز سے دوچار ہوتے دکھایا ہے وہ مناظرے تو کافی زیادہ ہیں مگر ہم ان میں صرف دو مناظروں پر فنی اور کلامی بحث کرتے ہیں۔

رفع یدین پر مناظرہ

نعمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ۔

امام اوزاعی اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے مکہ مکرمہ میں امام ابو حنیفہ سے ملے۔

امام اوزاعی (ابو حنیفہ) سے عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ حالانکہ میں نے زہری سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے۔

امام صاحب (اوزاعی سے) اس کے بالمقابل، حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ، عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

امام اوزاعی، سبحان اللہ میں تو زہری، سالم، عبداللہ کے ذریعہ حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلہ میں حماد، نخعی، علقمہ کا نام لیتے ہیں۔

(امام صاحب) میرے رواۃ آپ کے رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہے۔ حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں۔ نخعی سالم سے۔ اور علقمہ (تابعی) یہ ابن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں صرف عبداللہ کو صحابی ہونے کا شرف ضرور حاصل ہے مگر وہ علقمہ سے زیادہ فقیہ نہیں ہیں۔ (امام اوزاعی۔ خاموشی)

یہ وہ مناظرہ ہے جس کو جامع المسانید کے مولف نے امام سفیان ثوری کے حوالہ سے پیش کیا ہے اس مناظرے کی اسنادی حیثیت کیا ہے۔ اور کلامی حیثیت کیا ہے۔

اولاً کلامی اور تفقہ کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ایک متواتر عمل کو کوئی بھی ثقہ اور قابل اعتماد راوی بیان کرے تو وہ واجب التسلیم ہوتا ہے رفع یدین کے اثبات کی حدیث کے تمام راوی ثقہ اور متفق علیہ ہیں جبکہ ترک کی روایت کے جو

راوی اس مناظرہ میں جو پیش کی گئی ہے حماد بن ابی سلیمان ہیں جو متغیر' مختلط' مرگی زدہ اور مختلف فیہ ہیں۔ پھر اس میں راوی کی فقاہت کی کیا ضرورت راوی تو صرف اتنا بتا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رفع یدین کرتے تھے اس میں راوی کے اپنے تفقہ اور استنباط کو کوئی دخل نہیں۔ لہذا امام صاحب کا ایسے مسئلہ میں جو صرف روایت سے تعلق رکھتا ہے راوی کے تفقہ کا اعتراض اٹھانا اولاً مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

ثانیاً ہم کہتے ہیں کہ یہ مناظرہ ہوا ہی نہیں بلکہ یہ محض زیب داستان ہے جس کو مشہور کذاب شاذ کونی نے ایجاد کیا ہے۔

شاذ کونی کا تعارف

نام سلیمان بن داؤد منقری شاذ کونی ہے۔ ۲۳۴ کو فوت ہوئے ہیں۔ محدثین کرام اور ائمہ نقاد نے ان کے بارہ میں بہت لمبا چوڑا کلام کیا ہے جس کا اختصار ہم حافظ ابن حجر کی معروف کتاب ''لسان'' سے پیش کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس میں نظر ہے (یہ جرح امام بخاری کے نزدیک بڑی سخت ہے) امام ابن معین نے ان کو ایک حدیث میں کذاب کہا ہے۔ امام صالح بن محمد فرماتے ہیں یہ حدیث میں جھوٹ بولتے تھے۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے امام نسائی فرماتے ہیں ثقہ نہیں ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کذاب تھا۔ امام صالح جزرہ فرماتے ہیں ایک مجلس میں امام ابو زرعہ رازی اور شاذ کونی جمع تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ امام ابو زرعہ نے ایک روایت پیش کی جو شاذ کونی کے علم میں نہ تھی اس نے فورا امام ابوزرعہ پر ایک روایت پیش کر دی جس سے امام ابوزرعہ پریشان ہو گئے۔ جب ہم وہاں سے چلے آئے تو ابوزرعہ فرمانے لگے مجھے علم نہیں یہ حدیث کہاں سے آ گئی تو میں نے کہا اس نے صرف آپ کو پریشان کرنے کے لئے یہ حدیث موقع پر گھڑ دی تھی۔ امام ابو احمد حاکم فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے

ابن مھدی اس کو خائب (ناکام) کہتے تھے۔ امام عبدالرزاق نے شاذکونی کی مرویات کو پڑھا تو چہرے میں تغیر آگیا اور فرمانے لگے یہ اللہ کا دشمن کذاب اور خبیث ہے امام صالح جزرہ کہتے ہیں یہ برموقعہ سندیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ امام عجلی فرماتے ہیں بہت برا اور ماجن آدمی تھا۔ امام جزرہ فرماتے ہیں اس میں اخلاقی برائیاں بھی تھیں اور عباس عنبری فرماتے ہیں جب یہ فوت ہوا تو ایک سانپ اس کی جلد میں گزر گیا۔

(لسان ص ۸۵ تا ص ۸۷ ج ۳)

یہ ہے اس مناظرے کو بیان کرنے والا۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیں نعمانی صاحب کا ظن غالب اور ان کی روایت دانی کا معیار کتنا بلند اور اچھا تھا۔

فاتحہ خلف الامام

علامہ شبلی صاحب نے امام صاحب کے ایک اور فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرے کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہے کہ۔

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ **قرات خلف الامام** کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔

امام صاحب (آنے والوں سے) اتنے آدمیوں میں تنہا میں کیونکر بحث کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع سے کسی کو منتخب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو۔ اور اس کی تقریر کو پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے۔

آنے والے (امام صاحب سے) منظور ہے۔

امام صاحب (آنے والوں سے) آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرات کا کفیل ہے۔

(سیرت نعمان ص ۱۱۳)

تبصرہ

علامہ نعمانی صاحب نے اس مناظرے کا کوئی حوالہ نہیں دیا جس سے اصل ماخذ تک رسائی حاصل کر کے اس کی اسنادی حقیقت معلوم کی جاتی مگر اس کی حقیقت یہی ہے کہ یہ مناظرہ بھی محض بناوٹی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ امام صاحب نے اس مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کیا ہے اور اس حدیث کی تشریح کی ہے جس کو خود امام صاحب نے .سند صحیح رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا ہے **من صلی خلف الامام فقراۃ الامام لہ قراۃ** یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات بھی اس کی قرات ہے۔ (سیرت نعمان ص ۱۱۳)

ہم کہتے ہیں علامہ شبلی صاحب نے اس میں بہت سی باتیں خلاف حقیقت بیان کی ہیں۔ اولاً اگر اس مناظرے کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب صفات باری تعالیٰ (بیک وقت تمام کی فریاد سننا) کے منکر تھے۔ ثانیاً انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت **لیس کمثلہ شئی**۔ کا بھی انکار کیا ہے کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس سے جہمیت کی بو آتی ہے حالانکہ ہم تو امام صاحب کے بارہ میں ایسا تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ایک مسئلہ کی بنا پر تمثیل اور تعطیل کے قائل ہوں۔ ثالثاً" یہ مسئلہ تو منصوص ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں مگر امام صاحب نے نص بیان کرنے کے بجائے صرف عقل اور اجتہاد سے کام لیا جو نص کی موجودگی میں اصولا قابل قبول نہیں۔ رابعا" علامہ صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دے کر خود ہی علم حدیث سے عدم واقفیت کا ثبوت مہیا کیا ہے حالانکہ یہ روایت معلول ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے مگر وہ تمام معلول ہیں۔
(التلخیص الجبیر ص ۲۲۲ ج ۱)

خامساً۔ مناظرہ کرنے والے عالم تھے یا جاہل۔ اگر عالم تھے تو ان کے سامنے نص قطعی کی ضرورت تھی اگر وہ جاہل تھے تو ان سے امام صاحب کا مناظرہ کیسے؟ کیا امام صاحب اصول مناظرہ سے ناواقف تھے؟ بہرحال دلائل کی دنیا میں اس مناظرے کا کوئی وجود نہیں ہے۔

نظریہ تقلید

امام صاحب جس دور میں بقید حیات تھے وہ دور تقلید سے خالی تھا امام صاحب نے نہ تو مسند افتاء اور تدریس پر فائز ہونے سے پہلے کسی کی تقلید کی اور نہ ہی بعد میں۔ اگرچہ آپ کا زیادہ تر دارومدار امام نخعی کے فتووں پر تھا۔ جب مسند تدریس پر فائز ہوئے تو آپ نے اپنے تلامذہ کو بھی تقلید کا حکم نہیں دیا بلکہ واضح طور پر فرمایا کہ بلاتحقیق ہمارے فتوے اور اقوال نقل نہ کیا کرو۔ تو اس اعتبار سے جو لوگ امام صاحب کی تقلید کا دم بھرتے ہیں حقیقت میں وہ امام صاحب کی مخالفت کرتے ہیں ہم یہاں اس موضوع کو طوالت دینا نہیں چاہتے ورنہ یہ موضوع قدرے طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی ہے جس کی تفصیل مسئلہ تقلید پر معرکتہ الاراء کتاب مقلدین ائمہ کی عدالت میں ہم نے بیان کی ہے جو اس مسئلہ پر لائق مراجعت ہے۔

امام صاحب سے احناف کا اختلاف

امام صاحب تقلید کے نہ خود قائل تھے اور نہ ہی وہ شاگردوں کو تقلید کا حکم دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ نے ان سے شدید اختلاف کئے ہیں جس کی تفصیل بعض کے تراجم میں آرہی ہے مگر ہم یہاں موجودہ احناف کا فقہ حنفیہ سے اختلاف بیان کر دیتے ہیں۔

(۱) تعلیم قرآن اجرت پر جائز نہیں۔
آج کے اکثر قراء اور مدرسین صرف تعلیم کی اجرت پر گزارہ کر رہے ہیں۔

(۲) عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے۔
مگر آج کے دور میں احناف کی مساجد میں عورتوں کے لئے گیلریاں تعمیر ہو چکی ہیں اور عورتیں جمعہ کے خطبوں میں اور تراویح کی نماز پڑھنے کے لئے مساجد میں جاتی ہیں۔

(۳) امام قرآن کے بجائے سنت کا زیادہ عالم ہو۔
مگر آج مشاہدہ میں ہے کہ احناف کی اکثر مساجد میں صرف لفظی حافظ اور مخارج کے ادا کرنے کے ماہر قاری ہیں۔ جن کا قرآن اور سنت فہمی سے زیادہ تعلق نہیں ہے۔

(۴) نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں۔
مگر آج احناف کے بڑے بڑے شیوخ غائبانہ نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں جس کی متعدد مثالیں روزانہ چھپنے والی اخبارات کی مع تصاویر زینت بن چکی ہیں۔

(۵) دیہات میں جمعہ نہیں۔
آج تو چند گھروں پر مشتمل ڈیروں پر بھی احناف کے جمعہ کے خطبے ہو رہے ہیں۔

(۶) دیہات میں عید نہیں۔
مگر آج کون سا دیہات ہے جہاں عید کی نماز ادا نہیں کی جاتی۔

(۷) مفقود الخبر کے بارہ میں فقہ حنفی کچھ اور کہتی ہے مگر اکابر دیوبند کا فتویٰ اس بارہ میں حضرت عمرؓ کے مذہب کے مطابق چار سال پر ہے۔

(۸) دوہری جماعت جائز نہیں۔

مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ حنفی حضرات کئی کئی جماعتیں کراتے ہیں۔

(۹) امام کو آمین نہیں کہنی چاہیے۔

مگر موجودہ احناف کا عمل اس کے برعکس ہے امام بھی نماز میں آمین کہتا ہے خواہ وہ دل میں ہی کہتا ہو۔

(۱۰) ایک شہر میں متعدد جمعہ کے خطبات کی فقہ حنفی میں نص نہیں۔

مگر یہاں تو ہر شہر میں بیسیوں خطبے بیک وقت ہو رہے ہیں۔

یہ اختلاف کیوں؟ اس لئے کہ فقہ حنفی کی بنیاد آراء و قیاس پر ہے اور آراء و قیاس میں تبدیلی کا ہونا بدیہی امر ہے۔

ہم بڑے ادب سے ان احباب سے سوال کرتے ہیں جو اس فرضی کمیٹی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں کیا سالہا سال کی محنت سے اس کمیٹی نے تحقیق سے جن مسائل کو رقم کیا تھا اب یہ تحقیق غلط ہو گئی ہے اور وہ مسائل ناقابل اعتماد ہو چکے ہیں اور کیا ان سے اور دیگر متعدد مسائل میں موجودہ احناف نے امام صاحب کے فتوؤں سے انحراف کر کے خود کو اس حنفی شعر کا مستحق قرار تو نہیں دے دیا کہ۔

فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفته

جس نے امام صاحب کے ایک قول کو بھی رد کیا اس پر ریت کے ذرات کے برابر لعنت ہے کیا اس کی زد میں آنے سے کوئی بچ سکتا ہے۔ نہیں نہیں ہرگز ہرگز نہیں ہم اس شعر کو درست تسلیم نہیں کرتے جس نے یہ شعر کہا ہے اس نے مسلمانوں سے انصاف نہیں کیا۔

امام صاحب محدث اور راوی کی حیثیت سے

امام صاحب جس دور میں مسند تدریس و افتاء پر فائز تھے اس دور میں علم حدیث کا ہر سوء شہرہ اور چرچا تھا بلاد اسلامیہ کے اہم شہروں میں اشاعت و ترویج حدیث کے مراکز قائم ہو چکے تھے۔ حجاز، شام، مصر، عراق وغیرہ میں علم حدیث کی

اشاعت زوروں پر تھی کوفہ شہر میں بھی بعض نامور محدث امام سفیان ثوری وغیرہ مسند حدیث سجائے ہوئے تھے جن سے دور دراز کے علاقوں میں بھی علم حدیث کی ضیائیں اور کرنیں پھیل رہی تھیں مگر محدثین کی اس فہرست میں امام صاحب کا نام موجود نہیں۔ اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ امام صاحب مکتب حماد کے فارغ شدہ تھے جس میں حدیث کے بجائے قیاس و آراء کو غلبہ حاصل تھا۔ امام صاحب نے بھی اپنے استاذ گرامی قدر کا طریق اور انداز بحال رکھا تھا۔

صحاح ستہ میں روایت

واضح ہو کہ امام صاحب کی سند سے حدیث کی معروف اور مسلم کتب خصوصا صحاح ستہ میں کوئی روایت موجود نہیں۔ ترمذی شریف میں کتاب الحج باب الاشعار میں مذاہب کے بیان میں ایک دفعہ نام کا ذکر آیا ہے وہاں بھی امام وکیع نے امام صاحب کے اس مسئلہ میں موقف کو بدعت سے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفصیل امام وکیع کے تذکرہ میں آرہی ہے۔ ہاں البتہ بعض تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب میں امام صاحب کی روایات پائی جاتی ہیں لیکن ان میں بھی زیادہ مرسل، منقطع، ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ مرفوع روایات کی تو اتنی قلت ہے کہ وہ سندا جیسی بھی ہیں کچھ زیادہ نہیں۔ جیسا کہ امام ابن حبان نے بالتصریح فرمایا ہے کہ۔

(امام صاحب کی) دنیا بھر میں مسند روایات کی تعداد صرف ایک سو تیں ہے۔ ان میں بھی ایک سو بیس میں غلطیاں کی ہیں کسی کی سند بدل دی ہے اور کسی کا متن تبدیل کر دیا ہے۔ (کتاب المجروحین ص ۶۳ ج ۳)

احناف نے اس قلت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ جو کچھ وزن نہیں رکھتیں ان تمام کا ذکر تو یہاں طوالت کا باعث ہو گا البتہ ایک بڑی جامع توجیہ جسے امام صاحب کے حق میں ہمیشہ ہی اچھالا جاتا ہے اس کا ذکر مناسب ہو گا۔

قاضی ظہور الحسن جو صارم صاحب کے والد گرامی اور تاریخ الفقہ کے اصل

مصنف ہیں (صارم صاحب اس کے صرف مرتب ہیں) وہ فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ جب مسند درس پر متمکن ہوئے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ حدیث کی روایت کا گھر گھر چرچا ہے اور ان راویوں میں بعض نااہل کم فہم بھی شامل ہیں اور بدعتی احادیث وضع کر رہے ہیں تو مثل حضرت ابوبکر و عمر و ابن مسعود (رضی اللہ عنہم) کے حدیث کی جانچ میں سختی شروع کی سند کے مطالبہ پر زور دیا حدیث کی جانچ اور راوی کے جانچ کے قواعد مقرر کئے ان شرائط نے بہتوں کی قلعی کھول دی اس لئے ان فرضی اور مصنوعی محدثین کو آپ سے عداوت پیدا ہو گئی۔ (تاریخ الفقہ ص ۹۰)

ہم کہتے ہیں کہ قاضی صاحب نے یہاں چشم پوشی کی ہے اور حقائق کو مسخ کر کے قلم کے زور سے وہ کچھ ثابت کرنا چاہا ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ تو درست ہے کہ اس دور میں حدیث کا گھر گھر چرچا تھا اور یہ بھی درست ہے کہ بدعتی اور نااہل لوگ حدیثیں وضع کرتے تھے جن میں امام صاحب کے شاگردوں کی بھی ایک معقول تعداد ملوث تھی جس کی تفصیل آئندہ مختلف اراکین کمیٹی کے تعارفوں میں آئے گی۔ مگر یہ بات سرے سے ہی غلط ہے کہ امام صاحب نے احادیث کے قبول کرنے میں حضرت ابوبکر' عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی طرح سختی سے کام لیا تھا یہ اس لئے کہ حضرت شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نے کبھی کسی کاذب اور مجروح راوی کی بیان کردہ روایت کو قبول نہیں کیا۔ جبکہ امام صاحب نے اپنے دور کے مشہور کذاب راویوں سے روایتیں لی ہیں جس کی بین شہادت خود ان کی طرف منسوب کتاب جامع المسانید میں ہے جس میں ابوالعطوف' جابر جعفی' ابان بن ابی عیاش' نصر بن طریف' عطاء بن عجلان بصری' عمرو بن عبید اور محمد بن سائب کلبی وغیرہ مشہور کذابوں سے امام صاحب کی روایات موجود ہیں پھر یہ روایات ان سے عدم علم کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ بعض کے متعلق تو انہوں نے خود وضاحت کی ہے کہ یہ بہت بڑا کذاب ہے چنانچہ وہ جابر جعفی کے بارہ میں

فرماتے ہیں

(مارایت) اکذ ب من جابر الجعفی ما اتیته بشئی الا جاء نی فیه بحدیث۔ (میزان ص ۳۸۰ ج ۱)

میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر اور کسی کو جھوٹا اور کذاب نہیں دیکھا میں جب بھی اس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کرتا تو وہ مجھے اس بارہ میں کوئی حدیث بیان کر دیتا۔

یہ کتنی واضح تصدیق ہے کہ امام صاحب کے علم میں تھا کہ جابر جعفی کذاب راوی ہے اور ایسا وضاع ہے کہ وہ ان کے سامنے روایت گھڑ لیتا تھا مگر اس کے باوجود جامع المسانید میں روایتیں موجود ہیں۔ جس سے قاضی صاحب کے اس دعویٰ کی قلعی کھل جاتی ہے کہ امام صاحب سے زیادہ روایات اس لئے مروی نہیں ہیں کہ وہ اس میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر احتیاط ہی مدنظر ہوتی تو ایک سو تیں روایات میں سے ایک سو بیس میں غلطی نہ ہوتی۔

محدثین کی عداوت کا شوسہ

قاضی صاحب کا یہ فرمانا کہ ان فرضی اور مصنوعی محدثین کو امام صاحب سے عداوت ہوگئی تھی نہایت لغو اور باطل ہے اول تو قاضی صاحب کو ان فرضی محدثین کی تفصیل بیان کرنی چاہئے تھی مگر ایسا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ ثانیاً کسی محدث کو اگر ذاتی رنجش ہو تو ہو مگر اصول میں ان کی ذاتی عداوت آڑے نہیں آتی تھی امام صاحب پر تقریباً تمام محدثین نے جرح کی ہے مگر اس میں نہ کوئی عداوت تھی اور نہ ہی حسد بلکہ امام صاحب کا مختلف مواقع میں روایات میں ذھول اور نسیان تھا جس کی تفصیل کچھ پہلے گذر چکی ہے اور آئندہ بھی آرہی ہے ظاہر ہے کہ علم روایت میں یہ نقص بہت بڑا سمجھا جاتا ہے جس وجہ سے محدثین کرام نے ان پر جرح کی پھر جرح کرنے والے کون محدث تھے ان کا تذکرہ تو بالاختصار چند سطور کے بعد آجائے گا مگر یہ بات ضرور ہے کہ اگر ان محدثین کرام کو مصنوعی،

اور فرضی قرار دے دیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی اور اصلی محدث کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس لئے قاضی صاحب نے جو لکھا اگرچہ انہوں نے اپنے متقدمین کی روش میں ہی لکھا ہے مگر محض تعصب یا جذبات کی وجہ سے جو دلائل سے بالکل عاری اور خالی ہے۔

ناقدین کے اسماء

وہ اس لئے کہ امام صاحب پر جن محدثین نے جرح یا تنقید کی ہے اور علم روایت میں ضعیف قرار دیا ہے ان میں ایسے محدث بھی ہیں جو امام صاحب کے ہم عصر اور علم حدیث میں درجہ کمال رکھتے تھے اسی طرح ان کے دور کے معاً بعد کے محدثین بھی جو ہر طرح سے اپنے علم و فن میں کامل تھے۔ جن میں چند مشہور یہ ہیں۔ ابن ابی داوٗد فرماتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ پر تنقید تمام علماء نے کی ہے بصرہ کے امام ایوب سختیانی۔ کوفہ کے امام سفیان ثوری۔ حجاز کے امام مالک۔ مصر کے امام لیث بن سعد۔ شام کے امام اوزاعی۔ خراسان کے امام عبداللہ بن مبارک وغیرہم۔

(الکامل ص ۲۴۷۷ ج ۷)

ان کے ساتھ

امام شافعی (مسئلہ الاحتجاج بالشافعی) امام احمد بن حنبل (کتاب السنہ) امام مسلم (الکنی والاسماء) امام دار قطنی (سنن دار قطنی) امام نسائی (کتاب الضعفاء) امام بخاری (تاریخ کبیر) امام یحیٰی بن معین (کتاب السنہ) امام ابن ابی حاتم (کتاب الجرح والتعدیل) امام ابن حبان (کتاب المجروحین) امام عقیلی (الضعفاء) امام ابن عدی (الکامل) امام ابونعیم اصفہانی (کتاب الضعفاء) امام جورجانی (کتاب الاباطیل) امام ابن سعد (طبقات) امام حاکم (معرفۃ علوم الحدیث)

امام جریر بن حازم	امام ہمام بن یحییٰ	امام حماد بن سلمہ
امام حماد بن زید	ابو عوانہ	امام عبدالوارث
امام قاضی سواد عنبری	امام یزید بن زریع	امام علی بن عاصم
امام جعفر بن محمد	عمر بن قیس	امام ابو عبدالرحمٰن مقری
امام سعید بن عبدالعزیز	امام ابو اسحاق فزاری	امام یوسف بن اسباط
امام محمد بن جابر	امام الائمتہ ابن عیینہ	قاضی ابن ابی لیلیٰ
امام حفص بن غیاث	امام ابوبکر بن عیاش	قاضی شریک بن عبداللہ
امام وکیع بن جراح	امام رقبہ بن مصقلہ	امام فضل بن موسیٰ
امام عیسیٰ بن یونس	حجاج بن ارطاۃ	مالک بن مغول
قاسم بن حبیب	امام قاضی ابن شبرمہ	

ان میں بہت سے اراکین کمیٹی بھی شامل ہیں وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔
(تاریخ بغداد ص ۳۷۱ / ۱۳)

اگر کہا جائے کہ تمام متقدمین اور نقاد محدثین کرام نے روایت حدیث میں ان پر جرح اور تنقید کی ہے اور اکثر نے اپنی کتابوں میں ان کی مرویات کو داخل نہیں کیا تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ اگر بالفرض کسی معروف محدث نے ان سے کوئی روایت اپنی کتاب میں بیان کی ہے تو وہاں انہوں نے اس کے ضعیف ہونے کا حکم بھی لگایا ہے جیسا کہ امام دار قطنی ہیں۔ اور بلاشبہ حدیث کے معاملہ میں کسی ایک محدث نے بھی امام صاحب کی توثیق نہیں کی ہاں تہذیب میں حافظ ابن حجر نے ان کی توثیق صرف امام یحییٰ بن معین سے نقل کی ہے ہم کہتے ہیں امام یحییٰ بن معین سے متعدد صحیح اسناد کے ساتھ امام صاحب کی تضعیف بھی منقول ہے ملاحظہ ہو کتاب السنہ تاریخ بغداد عقیلی۔ وکامل ابن عدی۔ اب ان محدثین کرام کو دیکھئے اور قاضی صاحب کا مذکورہ بیان بھی سامنے رکھئے تو انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ

اگر قاضی صاحب اپنے بیان میں سچے ہیں تو بتایئے روئے زمین پر کوئی محدث اصلی بھی ہوگا؟ اعتراف حقیقت کے بجائے الٹا محدثین کرام پر جو دین اور سنت کے اصل محافظ اور پاسبان تھے طرح طرح کے الزام لگانا انصاف کا خون ہے ہم اس بحث کو دور حاضر کے معروف محدث علامہ ناصر الدین البانی کے حقیقت پسندانہ تجزیہ پر ختم کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفۃ علی جلالتہ فی الفقہ قد ضعفہ من جہۃ حفظہ البخاری و مسلم والنسائی وابن عدی وغیرھم من ائمہ الحدیث

(سلسلہ احادیث ضعیفہ ص ۳۹۰ ج ۱)

بلاشبہ امام ابوحنیفہ فقہ میں جلیل القدر تھے مگر ان کے حافظہ کی وجہ سے امام بخاری، مسلم، نسائی، ابن عدی اور دیگر ائمہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

وجہ ضعف

جو امام البانی نے فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے ہم بھی امام صاحب کے ورع، زہد، تقویٰ اور پرہیزگاری کو بسرو چشم قبول کرتے ہیں اور ان تمام فضائل کو برغبت و رضا تسلیم کرتے ہیں جو صحت سند کے ساتھ مروی ہیں مگر محدثین کرام کے فیصلوں کو عداوت کہتے ہیں اور نہ حسد سے تعبیر کرتے ہیں محدثین کرام پر عداوت اور حسد کا الزام لگانا سنن نبویہ پر تیشہ چلانے کے مترادف ہے امام صاحب کا روایت کے معاملہ میں ضعیف ہونا اتنی واضح حقیقت ہے جس کا انصاف کے ساتھ انکار ممکن نہیں۔ اس کا اعتراف خود امام صاحب کو بھی ہے چنانچہ امام صاحب قاضی ابویوسف سے فرماتے ہیں۔

لا تروعنی شیئًا فانی واللہ ما ادری امخطی انا ام مصیب

(کتاب السنہ ص ۲۲۶ ج ۱ و تاریخ بغداد ص ۴۲۴۔ ۱۳)

تم مجھ سے کچھ نہ لکھا کرو بقسم خدا مجھے علم نہیں کہ میں خطا پر ہو یا درستی

پر

امام ابوعبدالرحمٰن مقری جو امام صاحب کے شاگرد اور کمیٹی کے رکن بتلائے جاتے ہیں فرماتے ہیں۔

میں نے امام صاحب سے سنا وہ فرماتے تھے۔

عامة ما احدثکم به خطا۔

(تاریخ بغداد باسنادین ص ۴۲۵ ج ۱۳)

تم سے جو میں عام بیان کرتا ہوں وہ غلط ہوتا ہے۔

امام صاحب کے یہ فرمودات یہاں ان کے تقویٰ اور ورع پر دلالت کرتے ہیں وہاں سے ہی محدثین کرام نے روایت حدیث کے سلسلہ میں جو امام صاحب پر تضعیف کا حکم لگایا ہے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور محدثین پر جو متاخرین احناف نے الزامات لگائے ہیں وہ ازخود باطل ٹھہر جاتے ہیں۔

کمیٹی کی سربراہی

امام صاحب امام حماد کی وفات کے بعد ان کی مسند کے جانشین مقرر ہوئے امام حماد کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی اور یہی سے کمیٹی کے اثبات والے کمیٹی کا آغاز کرتے ہیں۔ مگر اس کمیٹی کا قیام اس لئے محل نظر ہے کہ امام صاحب نے جن چالیس افراد کو ملا کر یہ کمیٹی تشکیل دی تھی ان میں بعض تو کمیٹی کے وجود میں آجانے کے مدت بعد پیدا ہوئے اور بعض ابھی دودھ پیتے بچے تھے اور بعض کی عمر پانچ سات یا زیادہ سے زیادہ دس سال تھی جیسا کہ ان کے تعارف میں آپ کو معلوم ہو جائے گا تو کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام صاحب اس اتنی بڑی اور اہم ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ایسے افراد کی خدمات حاصل کریں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے یا نومولود اور مدت رضاعت میں تھے یا نابالغ اور تحقیق و جستجو کی سیڑھی پر قدم نہیں رکھ پائے تھے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو اس سے امام صاحب کے انتخاب پر

بہت کچھ کہنے کی گنجائش نکل آتی ہے یقیناً امام صاحب ایسی کمیٹی کی امارت اور صدارت بلکہ اس کے قیام سے ہی بری الذمہ ہیں اور یہ کمیٹی محض ایک افسانہ ہے جس کی دلائل اور وجود کی دنیا میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔



(ا) اسد بن عمرو کوفی (وفات ۱۹۰ھ)

اسد بن عمرو کے بارہ میں صاحب انوار کہتے ہیں۔

امام اسد بن عمرو بجلی مشہور محدث' فقیہ اور امام صاحب کے ان چالیس فقہاء اور اصحاب میں سے تھے جو کتب قواعد و فقہ کی تدوین میں مشغول ہوئے۔ بلکہ عشرہ متقدمین میں شمار کئے گئے۔ تیس سال تک انہوں نے بھی مسائل فقہ لکھے امام صاحب کی خدمت میں طویل مدت تک رہے اور حدیث و فقہ میں تخصص حاصل کیا۔ سب سے پہلے امام صاحب کی کتابوں کے لکھنے والے یہی ہیں۔

(مقدمہ انوار ص ۱۹۱ ج ۱)

اس کے قریب قریب کی باتیں علامہ شبلی نے بھی تحریر فرمائی ہیں۔ کہ

اسد پہلے شخص ہیں جن کو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت لی ہے اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ (سیرت نعمان ص ۲۹۷)

علمی مقام

جناب اسد فقہ حنفی میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ وہ امام صاحب کے اخص تلامذہ میں سے ہیں۔ بعض نے ان کو بغداد کا قاضی بھی کہا ہے جو محل نظر ہے۔ معروف حدیث کی کتابوں خصوصاً صحاح ستہ میں ان سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔

جرح و تعدیل

علامہ شبلی کے بقول امام ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے مگر ان کا یہ مقولہ محل نظر ہے انہوں نے صرف لا باس کہا ہے۔ ان دونوں میں جو فنی فرق ہے وہ تمام اہل علم بالحدیث پر واضح ہے۔ امام احمد بن حنبل کا امام صاحب کے اخص تلامذہ کے بارہ میں ایک خاص موقف ہے جیسا کہ ان سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ ان کے بیٹے امام عبداللہ بن احمد نے اسد بن عمرو اور ابویوسف کے بارہ میں دریافت کیا انہوں نے فرمایا۔

اصحاب ابی حنیفة لا ینبغی ان یروی عنهم

(عقیلی ص ۴۴۴ ج ۴ والکامل ص ۳۸۹ ج ۱)

ابو حنیفہ کے اصحاب (شاگرد) اس لائق نہیں ہیں کہ ان سے روایت لی جائے۔

امام احمد کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اسد کے بارہ میں اپنا وہی موقوف بیان کیا جو ان کا امام صاحب کے دیگر تلامذہ کے بارہ میں تھا۔

ہمیں علامہ عبدالحیٔ لکھنوی اور جناب ملا علی قاری حنفی پر تعجب آتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے علم حدیث کو سمجھتے ہوئے بھی اپنے مذہبی تعصب کو بالائے طاق نہیں رکھا۔ بلکہ تمام حقائق سے اغماض کر کے کہا کہ امام احمد بن حنبلؒ کا اسد سے روایت لینا ان کی ثقاہت کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ یہ تو کوئی اصول نہیں کہ جس سے امام احمد روایت لیں وہ ثقہ ہوتا ہے۔ مسند احمد میں کتنے ہی راوی ہیں جو باتفاق محدثین ضعیف اور ناقابل احتجاج ہیں۔ پھر تعجب بر تعجب کہ اس اختراعی اصول کو لسان المیزان کے محشی مولانا حسن نعمانی نے لسان کے حاشیہ کی زینت بنا دیا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں۔ اسد ضعیف ہیں محدثین کے نزدیک کچھ نہیں۔

(کتاب الضعفاء بخاری ص ۲۸۵)

امام نسائی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔ اور دوسرے:

مقام پر فرماتے ہیں قوی نہیں۔ (ضعفاء ص ۳۱۰ و ۲۵۸)

امام جورجانی فرماتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس سے فارغ ہو چکا ہے۔

(احوال الرجال ص ۷٦)

امام ابن معین سے ان کے بارہ میں مختلف روایات ہیں مشہور روایت یہ ہے کہ کذاب ہیں کوئی چیز نہیں۔

اور دوسری روایت میں لا باس به ہے۔

(الکامل ص ۳۹۸ ج ا و میزان ص ۲۰٦ ج ا و لسان ص ۳۸۴ ج ۱)

احناف کے اصول کے مطابق جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو جرح تعدیل پر مقدم ہوگی جبکہ جرح مفسر ہو۔ امام ابن معین کا اسد کو کذاب قرار دینا مفسر جرح ہے جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور پھر اس کی تائید دوسرے ائمہ محدثین کے اقوال سے بھی ہوتی ہے امام یزید بن ہارونؒ جن کو امام صاحب کا اخص شاگرد باور کرایا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ لا یحل الا خذ عنه

(میزان ص ۲۰٦ ج ۱)

ان سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔

امام ابن حبان نے تو بڑی بات کہہ دی کہ

کان یسوی الحدیث علی مذاھبھم وفی المیزان علی منھب ابی حنیفه

امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق حدیثیں بنا لیا کرتا تھا۔

(میزان ص ۲۰٦ ج ا لسان ص ۳۸۳ ج ۱)

امام عثمان فرماتے ہیں۔

ھو والریح عندھم سواء (لسان ص ۳۸۴ ج ۱)

محدثین کے نزدیک اسد اور ہوا دونوں برابر ہیں۔

یعنی قابل اعتماد اور قابل حجت نہیں ہیں۔

رکنیت

جناب اسد امام صاحب کے معروف اصحاب میں سے ہیں اور طبقات احناف میں ان کا تذکرہ ایک اخص تلمیذ کی حیثیت سے ہوا ہے مگر کوشش کے باوجود ہمیں ان کے نہ تو عقائد معلوم ہو سکے ہیں اور نہ ہی فقہی فتاوے جس سے ان کے فقہی اور مذہبی رجحان کا علم ہو جاتا۔ صحیح روایات کے مطابق ۱۹۰ھ کو فوت ہوئے ہیں اور سن ولادت معلوم نہیں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کمیٹی کی تشکیل کے وقت عمر کے کس حصے میں تھے یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جو فقہ میں P- H- D کا ڈپلومہ حاصل کرنے کے بعد کمیٹی کا ایک ذمے دار رکن اور محرر ہو تو اس کے بارہ میں ابھی تک یہ حقائق پردہ میں ہوں کہ وہ کمیٹی کی تشکیل کے وقت عمر کے کس سن میں تھے پھر انہوں نے اس کمیٹی کی جو تیس سال تک خدمات انجام دیں ہیں آخر وہ کہاں ہیں اور ان کا جمع کردہ فقہ کا چالیس ارکان کا مصدقہ دفتر کہاں غائب ہوگیا۔ معلوم ہے کہ تدوین فقہ کی کمیٹی ایک افسانہ ہے جو بڑھا دیا گیا ہے زیب داستان کے لئے۔

نیز جس شخص پر وضع اور کذب کا الزام ہو اور وہ اپنے مذہب کی خاطر روایات کا تسویہ کرتا ہو وہ ایسی دقیع علمی مجلس کے فیصلے تحریر کرنے کے لائق ہو گا اور آیا اس کا تحریر کردہ مجموعہ قابل اعتماد ہو گا؟



(۲) حبان بن علی عنزیؒ

ولادت ۱۱۱ھ　　　　وفات ۱۷۲ھ

مولف انوار نے مقدمہ انوار ص ۱۶۹ ج ا۔ صارم صاحب نے تاریخ الفقہ ص ۶۹ اور علامہ شبلی صاحب نے امام حبان بن علی عنزی کو بھی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے اور اجمالاً ان کی مدح و توصیف میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ شبلی صاحب فرماتے ہیں۔

کثیر الروایتہ تھے ابن ماجہ میں ان کی روایات سے متعدد حدیثیں موجود ہیں امام ابو حنیفہ ان کی قوت حافظہ کے بہت بڑے مداح تھے۔

(سیرت نعمان ص ۳۹۸)

علمی مقام

موصوف علم و فضل اور فقہ کے علم سے مالامال تھے احناف میں بڑی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ امام اعمش' سہل بن ابی صالح' ابن عجلان' لیث بن ابی سلیم' عقیل بن خالد ایلی اور یزید بن ابی زیاد وغیرہم سے روایات بیان کرتے ہیں ان سے روایت کرنے والوں میں امام عبداللہ بن مبارک' ابو غسان نہدی اور بکر بن یحیٰی وغیرہم ہیں۔

مذہب

شیعیت کی طرف میلان اور جھکاؤ تھا۔

(تہذیب ص ۱۷۳ ج ۲)

جرح

محدثین کی اکثریت نے ان کو حدیث میں ناقابل اعتماد اور ضعیف قرار دیا ہے ان کی مطلق توثیق تو کسی ایک معروف محدث سے منقول نہیں ہے ہاں البتہ چند ایک حضرات نے ان کی ہلکی سی تعدیل ضرور کی ہے امام عجلی نے ان کو صدوق کہا ہے اور امام بزار نے صالح۔ اس طرح ایک روایت امام ابن معین سے بھی ان کے صدوق کی ہے جبکہ ان سے ہی دوسری روایت تغلیط۔ تخطی اور ضعف کی ہے۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں۔ واھی الحدیث ہے۔

(احوال الرجال ص ۷۰)

امام دار قطنی فرماتے ہیں ضعیف اور متروک ہے۔

(کتاب الضعفاء ص ۷۹ و تہذیب ص ۱۷۴ ج ۲)

امام نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (کتاب الضعفاء ص ۲۸۹)

امام بخاری فرماتے ہیں محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

(ضعفاء بخاری ص ۲۵۸)

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں میں ان سے روایت نہیں لکھتا ضعیف ہیں۔

(تہذیب ص ۱۷۴ ج ۲)

امام ابوحاتم فرماتے ہیں قابل حجت نہیں ہیں۔ (میزان ص ۴۴۹ ج ۱)

امام محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں اس کی حدیث غلط ہے۔

امام ابواحمد حاکم فرماتے ہیں محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

ابن قانع فرماتے ہیں ضعیف ہے۔

ابن ماکولا فرماتے ہیں ضعیف ہے۔

امام ابن معین فرماتے ہیں ان کی حدیث کوئی چیز نہیں۔

(تہذیب ص ۱۷۴ ج ۲)

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

فاحش الخطاء فیما یروی یجب التوقف فی امرہ

(کتاب المجروحین ص ۲۶۱ ج ۱)

روایت بیان کرنے میں فاحش اور سنگین غلطیاں کرتے تھے جس سے ان کی روایت لینے میں توقف کرنا واجب اور ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ موصوف حدیث میں قابل حجت نہیں ہیں علامہ شبلی کا یہ فرمانا کہ امام صاحب کو ان کے قوت حافظہ پر بڑا اعتماد ہے محدثین کے مذکورہ فیصلے علامہ شبلی صاحب کے مقولہ کی سخت تردید کرتے ہیں اگر ان کی قوت حافظہ قابل اعتماد ہوتی تو محدثین کرام ان پر عدم اعتماد کا اظہار نہ کرتے۔ علامہ شبلی صاحب کا ان کو امام صاحب کی زبانی قابل اعتماد حافظے والا ٹھہرانا محض خوش اعتقادی ہے اور وہ بھی بغیر دلیل کے۔

رکنیت

موصوف حبان بن مندل ۱۱۱ھ کو پیدا ہوئے ہیں۔ (تہذیب ۱۷۴ ج ۲)

گویا کہ جب کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اس وقت ان کی عمر دس سال سے زائد نہ تھی اور صارم صاحب کے بقول کہ امام صاحب نے جن اہل علم کا کمیٹی کی رکنیت کے لئے انتخاب کیا تھا وہ تمام علوم و فنون کے ماہر تھے جن کی فقہ و اجتہاد کے لئے ضرورت تھی۔ (تاریخ الفقہ ص ۶۹)

تو کیا دس سال کا بچہ جو ابھی سن رشد کو نہیں پہنچا وہ ان تمام علوم و فنون کا ماہر ہوگیا تھا کہ جن سے وہ درجہ اجتہاد کو پانے کی اہلیت اور صلاحیت کا مالک ہوگیا تھا۔ پھر کیا علم کہ وہ اس کمیٹی کے رکن بنے بھی تھے یا نہیں صرف امام صاحب سے تلمذ رکن قرار پانے کی دلیل کافی نہیں ہے شاگرد تو اور بھی ان چالیس

حضرات کے علاوہ ہیں مگر آپ ان کو کمیٹی کا رکن ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔



(۳) حسن بن زیاد لولوی

ولادت ۱۱۶ھ   وفات ۲۰۴ھ

انوار کے مولف ان کے بارہ میں رقم طراز ہیں۔
امام حسن بن زیاد لولوی امام اعظم کے تلامذہ و اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے بڑے بیدار مغز فقیہ اور دانشمند محدث تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۲۰ ج ۱)

علمی مقام

موصوف کا فقہاء احناف میں بہت بڑا مقام ہے بعض کے نزدیک تو تفقہ میں امام محمد سے بھی بڑھ کر ہیں۔ علماء احناف سے ان کے بہت سے فضائل اور مناقب منقول ہیں۔ مگر ان میں تغلب زیادہ اور حقیقت کم ہے یہ بقول احناف قاضی بھی بنے تھے مگر قضا کا منصب انہیں راس نہ آیا تھا۔ مولف انوار کے مطابق جب یہ قاضی حفص کی وفات پر ۱۹۴ھ کو قاضی بنائے گئے تو قضا ان کو موافق نہ آئی۔ امام داؤد نے ان کو کہا بھیجا کہ تمہارا بھلا ہو۔ مجھے امید ہے کہ خدا نے ناموافقت سے تمہارے لئے بڑی خیر کا ارادہ فرمایا ہے مناسب ہے کہ اس سے استعفیٰ دے دو۔ چنانچہ انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور راحت پائی۔ اس ناموافقت کی تفصیل بھی عجیب ہے سمعانی نے لکھا ہے کہ جب قضا کے لئے بیٹھتے تو خدا کی شان اپنا سارا علم بھول جاتے حتیٰ کہ اپنے اصحاب سے مسئلہ پوچھ کر حکم دیتے اور جب اجلاس سے اٹھتے تو تمام علوم مستحضر ہو جاتے چالیس سال تک افتاء کا کام کیا۔

(مقدمہ انوار ص ۱۲۰ ج ۱)

ہم کہتے ہیں اگر ان کے نسیان کا واقعہ صحیح ہے تو اس سے مولف انوار کے اس دعوئی کی تکذیب ہو جاتی ہے کہ وہ بیدار مغز فقیہ اور دانشمند محدث تھے جسے کرسی عدالت پر عند الحکم استحضار نہیں ہوتا تھا بھلا وہ عام حالت میں کیسے بیدار مغز رہتا ہوگا۔ اس سے تو ان کے بیدار مغز ہونے کی واضح نفی ہے۔

نیز مولف نے اس واقعہ کے بیان میں چند اہم تاریخی غلطیاں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ امام حفص کی وفات ۱۷۴ھ بتائی ہے حالانکہ وہ ۱۹۴ کو فوت ہوئے تھے جیسا کہ ان کے ترجمہ میں آرہا ہے اور خود مولف نے بھی وہاں ۱۹۴ ہی لکھا ہے۔

دوسری بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حسن بن زیاد کو قضا سے الگ ہونے کا مشورہ دینے والے امام داؤد طائی کو ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ وہ خود مقدمہ انوار کے ص ۱۶۷ پر ان کی وفات ۱۶۰ھ بتاتے ہیں گویا کہ مولف انوار نے یہاں اپنی بھی بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے کہ جیسا جناب حسن بحیثیت فیصل اور قاضی کے فیصلہ کرتے وقت بیدار مغز ہوتے تھے کہ سب کچھ بھول جاتا تھا ایسے ہی انہیں بھی جناب حسن کے حالات لکھتے وقت ایسی بیدار مغزی کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ امام داؤد طائی نے قاضی حسن کو قضاء سے الگ ہونے کا مشورہ اپنی وفات کے تقریباً ۳۴ سال بعد دوبارہ زندہ ہو کر دیا تھا۔

فقہ میں مقام

ہمارے حنفی بھائی ان کی فقاہت کے بارہ میں بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور انہیں ایک بہت فقیہ گنواتے ہیں کہ انہوں نے چالیس سال تک فتوی نویسی کی۔ ہم پوچھتے ہیں جناب بتایئے تو سہی ان کے چالیس سالہ فتووں کی دستاویزات کہاں ہیں۔ حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ واسعۃ۔ کے صرف چند سالوں کے فتاوی کا مجموعہ تین ضخیم جلدوں میں مدون اور مطبوع ہے۔ اور میاں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے تمام فتووں کو جمع کیا جاتا تو وہ فتاوی

عالمگیری سے بھی پانچ گناہ زیادہ ہوتے۔ (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۵۲)

تو اس حساب سے تو جناب فقیہ حسن بن زیاد کے فتووں کا مجموعہ دس بارہ ضخیم جلدوں سے کم نہیں ہونا چاہئے تھا مگر ان کے فتووں کا ایک ورق بھی آج شاید کسی کے پاس نہ ہو۔

دلچسپ مناظرہ

ہاں ان کے فقیہ اعظم ہونے کا پتہ صرف ایک مناظرے سے ہو جاتا ہے جو امام شافعیؒ کی موجودگی میں کسی عام آدمی سے ہوا تھا۔

سائل (حسن بن زیاد سے)۔ نماز میں جو قہقہہ لگائے اس کے بارہ میں حکم؟

حسن بن زیاد نماز باطل

سائل وضو کے بارہ میں

حسن وضو بھی گیا

سائل جو نماز میں کسی پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگائے اس کے بارہ میں حکم

حسن نماز باطل

سائل وضو کے بارہ میں

حسن وضو قائم اور برقرار

سائل اس کا مطلب ہوا کہ نماز میں قہقہہ لگانا آپ کے نزدیک تہمت لگانے سے زیادہ سخت ہے۔

حسن جوتے اٹھائے اور چلتے بنے

امام شافعیؒ فضل بن ربیع (وزیر مملکت اور منتظم مناظرہ تھے)۔ میں نے آپ کو یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس میں یہ اہلیت نہیں ہے۔

(الکامل ص ۷۳۲ ج ۲ میزان ص ۲۹۱ لسان ص ۲۰۸ ج ۲)

عملی کمالات

عملی کمالات بھی ان کے عجیب اور انوکھے تھے ہمارے خیال میں ایسے کمالات سے فقہاء متقدمین محروم رہے ہیں۔ امام محمد بن رافع فرماتے ہیں۔

یہ امام سے پہلے سر اٹھاتے اور امام سے پہلے سجدہ میں چلے جاتے۔

(لسان ص ۲۰۹ ج ۲)

محمد بن حمید رازی فرماتے ہیں۔

مارایت اسوا صلوۃ من الحسن بن زیاد اللولوی۔

(لسان ص ۲۰۸ ج ۲)

میں نے حسن بن زیادہ سے بڑھ کر کسی کو بدترین کیفیت میں نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

انوکھا نقشہ نماز

جناب فقیہ حسن کی نماز کے ارکان عدم تعدیل اور عدم توجہی تو ایک معروف چیز تھی علاوہ ازیں ان کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا جس کو امام فقہ احمد بن سلیمان رھاوی نے بچشم دید گواہ کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

میں حسن سے ان کی کتابیں لکھا کرتا تھا اور میں نے ان کو ہی لازم پکڑا ہوا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا اور ایک بے ریش بچہ ان کے پہلو میں صف میں کھڑا ہے۔ جب لوگ سجدہ میں گئے تو حسن نے ہاتھ بڑھایا اور بچے کے رخسار پر چٹکی لی۔ حالانکہ بچہ بھی سجدہ میں گیا ہوا تھا۔ (مجھے ان کی یہ حرکت

ناپسند آئی) تو میں نے ان سے جدائی اختیار کر لی۔ اور دل میں تہیہ کر لیا کہ آئندہ ان سے کوئی چیز بیان نہیں کروں گا۔ (الکامل ص ۷۴۲ ج ۲)

اسی طرح امام ابوداؤد نے حسن بن علی حلوانی سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا

میں نے حسن لولوی کو دیکھا کہ انہوں نے سجدہ پڑے ہوئے بچے کو بوسہ دیا۔ (لسان ص ۳۰۹ ج ۲)

سایہ نحوست

جن دنوں میں حسن بن زیاد اور حماد بن ابی حنیفہ قاضی تھے قحط پڑ گیا تو ایک شخص نے امام وکیع سے قحط سالی کی بابت دریافت کیا تو امام وکیع نے فرمایا۔

کیف لا تجدب وحسن اللولوی قاضیًا وحماد بن ابی حنیفہ۔

(عقیلی ص ۲۲۸ ج ۱)

بھلا قحط سالی کیوں نہ ہو جبکہ حسن لولوی اور حماد قاضی ہیں۔

جرح

ان مذکورہ اوصاف کے علاوہ اس فقیہ بیدار مغز میں وضع حدیث اور کذب بیانی کا وصف بھی معروف تھا جس کی وجہ سے محدثین کرام کے نزدیک قابل اعتماد نہیں رہے تھے سوائے امام مسلمہ بن قاسم کے کسی اور ناقد محدث نے ان کی توثیق نہیں کی۔ ہاں البتہ ان پر جرح و قدح اور نقد کے تیر ہر طرف سے برسے ہیں جن کو ہم خلاصتہً لسان کے حوالہ سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

امام ابن مدینی فرماتے ہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

امام ابوحاتم کہتے ہیں ثقہ نہیں ہے۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں متروک ہے۔

امام جزرہ فرماتے ہیں یہ نہ تو محدثین کے ہاں قابل تعریف ہے اور نہ ہی اپنے حلقہ میں۔ حدیث میں کوئی چیز نہیں۔

یعلی بن عبید فرماتے ہیں۔ حسن سے بچو۔

امام یزید بن ہارون سے ان کے بارہ میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے کیا یہ مسلمان بھی ہے۔

ابو اسامہ فرماتے ہیں یہ خبیث ہے۔

امام محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں۔ ابن جریج کا نام لے کر جھوٹی حدیث بیان کرتا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں ثقہ نہیں کذاب ہے۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کذاب ہے۔

امام ابوثور فرماتے ہیں کذاب ہے۔

امام یعقوب فرماتے ہیں کذاب ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں کذاب ہے۔

امام ساجی فرماتے ہیں کذاب ہے۔ (لسان ص ۲۰۸ و ص ۲۰۹ ج ۲)

امام نسائی فرماتے ہیں ثقہ اور مامون نہیں۔ خبیث اور کذاب ہے۔
(کتاب الضعفاء ص ۲۸۹ و ۳۱۰)

مذکورہ ائمہ کی جرح سے ثابت ہوگیا کہ محدثین کی نظر میں یہ متروک، ناقابل حجت اور بالآخر کذاب ہیں مگر صاحب انوار کے نزدیک بیدار مغز، فقیہ اور دانشمند محدث۔

رکنیت

حدائق الحنفیہ ص ۱۳۷ میں ہے کہ

کہتے ہیں کہ جب آپ کی عمر تیس سال گزری تو آپ نے فقہ پڑھنا شروع کیا اور چالیسویں سال تک اس میں مشغول رہے چنانچہ اس عرصہ میں آپ نے

اچھی طرح بستر پر اپنی پیٹھ نہ رکھی۔ (اللمحات ص ۵۳۹ ج ۴)

محققین احناف کو یہ تو تسلیم ہے کہ موصوف حسن ۱۱۶ھ کو پیدا ہوئے اور ان کی ولادت کے صرف چار سال بعد کمیٹی کی تشکیل ہوئی جبکہ حسن کا ابھی تعلیمی دور شروع نہیں ہوا تھا۔ اور بقول حدائق حنفیہ کے مصنف کے انہوں نے فقہ شریف عمر کے تیس سال گزارنے کے بعد پڑھنا شروع کی اور متواتر دس سال تک فقہ پڑھتے رہے۔ تو اس حساب سے جب انہوں نے فقہ کی تعلیم سے فراغت حاصل کی تو اس وقت ۱۴۶ھ شروع ہو چکا تھا اور یہ وہ وقت ہے جس میں امام صاحب کی گرفتاری عمل میں آچکی تھی۔ اور یہ کمیٹی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی تو بتایئے انہوں نے اس کمیٹی کی رکنیت کمیٹی کے وجود کے ختم ہو جانے کے بعد اختیار کی تھی کیونکہ اس سے پہلے محض ایک طالب علم تھے اور کمیٹی کے اصول و قواعد و ضوابط کی رو سے وہ اس کے ممبر نہیں بن سکتے تھے۔



(۴) امام حفص بن عبدالرحمٰن بلخیؒ

ولادت ۱۱۹ھ　　　　وفات ۱۹۹ھ

صاحب انوار نے امام ابو عمرو حفص بن عبدالرحمٰن بلخی کو بھی اس چہل رکنی کمیٹی کا ممبر بنا دیا ہے اور ان کی بہت سی خوبیاں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

امام اعظم کے اصحاب میں محدث، صدوق تمام خراسانی تلامذہ میں افقہ اور شرکاء تدوین میں سے تھے۔ اسرائیل۔ حجاج بن ارطاۃ اور ثوری سے روایت کی۔

(علامہ انوار ص ۲۰۹ ج ۱)

راقم الحروف کہتا ہے کہ ان کا تفصیلی ترجمہ اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جس سے مولف انوار کے دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب ہو سکے۔ ہاں البتہ موصوف کی عبارت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار خراسان کے علماء میں سے ہے اور وہ بلخ کے رہنے والے تھے بھلا جو کوفہ سے دور دراز کے علاقہ بلخ میں ۱۱۹ھ میں پیدا ہوا ہو وہ کوفہ کس عمر میں آئے ہوں گے اور امام صاحب سے کتنی عمر میں رشد تعلیمی کے منازل طے کئے ہوں گے اور پھر رکنیت اختیار کرتے وقت ان کی عمر کی کتنی اور بہاریں گزر چکی ہوں گی اور پھر کتنے سال اس کمیٹی سے وابستہ رہے ہوں گے اور پھر انہوں نے اس کمیٹی میں رہ کر جو خدمات انجام دیں ہیں ان کی نوعیت کیا ہوگی تاحال راقم کے لئے یہ تمام باتیں مجہول ہیں۔



(۵) امام حفص بن غیاث قاضیؒ

ولادت ۱۱۷ھ **وفات ۱۹۴ھ**

علامہ شبلی امام حفص بن غیاث کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مودب تھے جن کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو۔ (سیرت نعمان ص ۳۷۰)

مشہور و معروف عالم، محدث، فقیہ، زاھد و عابد امام اعظم کے ممتاز کبار اصحاب و شرکاء تدوین فقہ تھے امام اعظم سے مسانید میں بکثرت حدیث روایت کی ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۶)

علمی مقام

امام حفص اپنے دور کے معروف محدث اور فقیہ تھے اکثر محدثین کرام سے ان کی توثیق منقول ہے فی نفسہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے ہاں جب قاضی بنے تو حافظہ میں کچھ تغیر آگیا تھا۔ دو سال تک قاضی رہے فقہاء کوفہ میں ان کا شمار ہے کتب صحاح میں ان کی بہت سی مرویات ہیں۔ عقائد میں مذھب محدثین کے متبع تھے کبار محدثین کرام جن میں امام احمد، ابن راھویہ، ابن مدینی، ابن ابی شیبہ، ابن معین، ابو نعیم، ابوداؤد حفری، ابوخیثمہ، عمرو الناقد، ابو کریب یحیٰی نیشا پوری اور ان کے بیٹے عمر جیسے ائمہ کرام ان کے شاگرد ہیں۔ فرحمهم الله اجمعین۔

فقہ حنفی سے بیزاری

امام حفص جب سن شعور کو پہنچے تو ان کا امام صاحب کی مجلس میں آنا جانا ہوا۔ اور جب کچھ علمی ادراک ہوا تو انہوں نے امام صاحب کے فتووں کو جانچا اور پرکھا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ امام صاحب کو خود اپنے فتووں کے صحیح ہونے کا یقین اور ان پر اعتماد نہیں ہے۔ تو ہمیں ان سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں جیسا کہ ان سے .بسند صحیح منقول ہے کہ

جلست الی ابی حنیفة فقال فی مسالة بعشرة اقاویل لا ندری بایھا ناخذ وقال رایت ابا حنیفه یقول فی شئی عشرة اقوال ثم یرجع وقال کنت اجلس الی ابی حنیفة فاسمعه یفتی فی المسئلة الواحدة بخمسة اقاویل فی الیوم الواحد فلما رایت ذلک ترکته واقبلت علی الحدیث۔

(کتاب السنہ ص ۲۰۵ و ص ۲۲۰ ج ۱)

میری امام ابوحنیفہ سے مجلس تھی وہ ایک ایک مسئلہ میں دس دس فتوے دیتے ہم نہیں جان سکتے تھے کہ ان میں سے کس فتوٰی پر عمل کریں۔ اور وہ خود بھی ان سے رجوع کر لیتے۔

(ایک مجلس میں ایسا بھی ہوا) کہ انہوں نے ایک ہی مسئلہ میں پانچ فتوے دیئے تو جب میں نے ان کی یہ حالت و کیفیت دیکھی تو ان کو ترک کر دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہوگیا۔

قاضی ابویوسف کی پرخاش

امام حفص کو جب خلیفہ ہارون نے قاضی بنایا تو قاضی ابویوسف کو یہ بات پسند نہ آئی اور ان کو منصب قضاۃ سے ہٹانے کے لئے تدابیر شروع کر دیں۔ امام یحیٰی بن لیث فرماتے ہیں۔

امام حفص بڑے عادل قاضی تھے جب وہ قاضی بنے تو قاضی ابویوسف اپنے

ساتھیوں سے کہنے لگے ہم حفص کے نوادرات لکھتے ہیں۔ جب امام حفص کے فیصلے لکھے گئے تو قاضی ابویوسف فرمانے لگے حفص کے نوادرات کہاں ہیں فرمانے لگے تم پر افسوس حفص کو قاضی بنانے کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اور اسی نے اس کو درست فیصلے کرنے کی توفیق بخشی۔ (تہذیب ص ۴۱۷ ج ۲)

علامہ شبلی نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

قاضی ابویوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضاۃ کا تمام سر رشتہ ان کے اہتمام میں تھا چونکہ ہارون رشید نے قاضی صاحب کی اطلاع کے بغیر حفص کو مقرر کر دیا تھا۔ اس لئے ان کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا حفص کے فیصلے ہمارے مراقعہ میں آئیں۔ تو ان کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ لیکن جب ان کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی ہے۔

(سیرت نعمان ص ۷۱ ۳)

رکنیت

امام حفص کا بہ چند وجوہ اس کمیٹی کا رکن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

نمبر ۱۔ کمیٹی کی تشکیل کے وقت امام حفص کی عمر صرف تین برس تھی۔ اور اس عمر میں کسی بھی کمیٹی کی رکنیت ناممکن اور محال ہے۔

نمبر ۲۔ امام حفص مسلک محدثین کے پیروکار تھے۔

نمبر ۳۔ امام حفص امام صاحب کے فتووں پر عدم اعتماد کا اظہار کر کے ان سے الگ راستہ اختیار کر چکے تھے۔



(۶) ابو مطیع حکم بن عبداللہ

ولادت ۱۱۵ھ　　　　وفات ۱۹۹ھ

صاحب انوار نے ابو مطیع کو بھی اس فرضی کمیٹی کا رکن بتلایا ہے اور ان کا تذکرہ بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولف کے نزدیک محدث، فقیہ، عالم اور فاضل ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۹ ج ۱)

علمی مقام

یہ امام صاحب کے معروف شاگرد اور نامور فقیہ تھے ابن عون اور ہشام بن حسان سے بھی روایت کرتے ہیں۔ مگر حدیث کی معروف کتابوں میں ان کی سند سے کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ ہاں جن مولفین حضرات نے موضوع روایات کو جمع کیا ہے ایسی کتابوں میں ان کی روایات موجود ہیں۔

جرح

تقریباً تمام محدثین کرام نے ان پر مختلف الفاظ سے جرح کی ہے۔ اور جہاں تک راقم کا علم ہے کسی ایک محدث سے بھی ان کی ثقاہت معلوم اور منقول نہیں ہے۔ گویا کہ یہ بالاتفاق ضعیف اور ناقابل اعتماد ہیں۔

امام ابن معین فرماتے ہیں　　کوئی چیز نہیں

امام نسائی فرماتے ہیں　　ضعیف ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں　یہ اس لائق نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں	محدثین نے اس کی روایت کو چھوڑ دیا ہے۔
امام ابن عدی فرماتے ہیں	ان کا ضعف بڑا واضح ہے اور جو بیان کرتا ہے اس کی متابعت کوئی نہیں۔
امام ابن سعد فرماتے ہیں	محدثین کے نزدیک حدیث میں ضعیف ہے۔
امام ابن حبان فرماتے ہیں	مرجیوں کا سرغنہ اور محدثین سے بغض رکھتا تھا۔
امام ابوحاتم فرماتے ہیں۔	کذاب اور مرجی تھا۔
امام جوزجانی فرماتے ہیں	مرجیوں کا سردار تھا سنت سے دشمنی اور حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔
امام خلیلی فرماتے ہیں	عراق اور بلخ کے حفاظ اس سے راضی نہ تھے۔
امام ذہبی فرماتے ہیں	رائے میں بصیرت اور شان والا تھا مگر حدیث کے ضبط میں نہایت کمزور اور واہ تھا۔ نیز اس نے حدیث وضع کی ہے۔

وضع کردہ روایت

امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے اس کی وضع کردہ روایت بطور مثال ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ ثقیف کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے ایمان کے بارہ میں پوچھا کیا اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے تو آپؐ نے فرمایا اس میں زیادتی کفر ہے اور کمی شرک ہے۔ (میزان ص ۴۷۵ ج ۱ ولسان ص ۳۴۴ ج ۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اپنے مذہب کی خاطر روایتیں وضع کرنے کا دھندہ کرتا تھا۔

مذہب

مذکورہ روایت خود اس کے مذہب کی وضاحت کرتی ہے کہ یہ مرجی مذہب کا پیروکار تھا اسی لئے تو اس نے یہ روایت وضع کی ہے کہ ایمان میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے۔ محدثین کرام کی تحقیق میں بھی یہ پکا مرجی بلکہ ان کا سردار اور سرغنہ تھا۔

امام ابن سعد فرماتے ہیں مرجی تھا۔
امام ابن حبان فرماتے ہیں مرجیوں کا سردار سنت اور محدثین سے بغض رکھنے والا تھا۔
امام ابوحاتم فرماتے ہیں کذاب اور مرجی تھا۔
امام جوزقانی فرماتے ہیں مرجیوں کا سردار تھا۔

(لسان ص ۳۳۵ و ص ۳۳۶ ج ۲)

رکنیت

امام ذہبی نے فرمایا ابو مطیع نے ۱۹۹ھ میں وفات پائی ان کی عمر چوراسی سال تھی۔ (میزان ص ۵۷۵ ج ۱)
تو گویا کہ یہ ۱۱۵ھ کو پیدا ہوئے ہیں اور پھر ان کی ولادت کوفہ سے بہت دور بلخ میں ہوئی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ وہ کوفہ میں کب آئے اور کس سال امام صاحب سے تعلیمی فراغت حاصل کی اور رکن قرار پائے۔
اگر اس کمیٹی کا کوئی وجود ہوتا تو ہم ابو مطیع کو ان کے اوصاف مصرحہ کی وجہ سے ضرور اس کمیٹی کا رکن تسلیم کر لیتے جیسا کہ ہمیں تسلیم ہے کہ ان کا اپنے حلقہ میں بہت بلند مقام ہے خواہ محدثین کی نظر میں یہ کذاب اور وضاع ہیں مگر چونکہ وہ اپنے حلقہ میں کام کے آدمی تھے اس لئے ان کے احباب انہیں اپنے ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتے کبھی تو ان کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ امام عبداللہ بن

مبارک ان کی دین اور علم کی وجہ سے بہت تعظیم کرتے تھے اگرچہ یہ بھی نرا جھوٹ ہے اور کبھی ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وصف سے متصف کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک دلچسپ واقعہ گھڑا گیا ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ ایسے کذاب وضاع اور متروک کو بڑا مصلح بنا کر پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ لسان کے حنفی محشی لسان میں ان پر وارد سنگین اور شدید جرحوں کو یک قلم رد کر کے ان کے اوصاف بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ ان اوصاف کا ثبوت بھی ایسے ویسے ذرائع ہیں۔

ابو مطیع معروف آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہیں بھلا جو ایسا ہو وہ سنت سے بغض رکھ سکتا ہے یہ تو ان پر الزام ہے جو صرف اس لئے لگایا گیا۔ ہے کہ وہ امام صاحب کے اصحاب فقہاء میں سے تھے۔ (حاشیہ لسان ص ۳۳۵ ج ۲)

یعنی مطلب یہ ہے کہ ابو مطیع بلخی ایسا آدمی نہیں تھا جیسا کہ محدثین کرام نے اس کو قرار دیا ہے وہ تو بہت اچھا اور نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے والا تھا اس کو تو صرف امام صاحب کا شاگرد ہونے کی وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔

قارئین کرام۔ جب سے احناف میں کچھ جوشیلے حضرات پیدا ہوئے ہیں وہ تمام حقائق کو پس پشت ڈال کر صرف محدثین کرام کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان اہل فن پر مختلف قسم کے غلط الزام تراشنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اگر ان کے پروپیگنڈہ کو لیا جائے تو امام مالک سے لے کر امام ابن حبان تک کوئی بھی محدث حسد، تعصب اور عناد سے خالی نہیں ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے اور محدثین کرام پر حسد و عناد کا الزام بے بنیاد اور لغو ہے۔ محدثین کرام نے ہر اس شخص کو پرکھا جو بھی میدان حدیث میں اترا۔ اور حقائق کی روشنی میں اسے جس طرح کا پایا بلاخوف لومتہ لائم بیان کر دیا۔ یہ کہ اگر باپ میں بھی ضعف ہے تو اسے بیان کیا جیسا کہ امام علی بن مدینی نے اپنے باپ کے بارہ میں لوگوں کو متنبہ

کیا تھا۔ پھر جو اپنے عزیز و اقارب کے بارہ میں کوئی رو و رعایت نہیں رکھتے تھے ان پر تعصب اور حسد بغض و عناد کا الزام لگانا کہاں کی دانشمندی ہے۔

پھر محدثین نے بلاوجہ تو کسی کو کذاب قرار نہیں دیا بلکہ دلیل کے طور پر ضرور اس کی وضع کردہ روایت کو بیان کیا ہے جیسا کہ خود ابو مطیع کے تذکرہ میں بھی میزان' لسان اور الکامل میں مثالیں موجود ہیں جس سے محدثین کے کلام کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔



(۷) قاضی حماد بن دلیل

قاضی حماد بن دلیل کو بھی مصنف انوار نے اس فقہ ساز کمیٹی میں شامل کیا ہے اور ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ

امام حماد بن دلیل محدث صدوق تھے امام اعظم کے ان بارہ اصحاب میں سے تھے جن کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ قضا کی صلاحیت رکھتے ہیں اور تقریباً سبھی قضا کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۱۱ ج ۱)

علمی مقام

موصوف فقہ میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں جبکہ حدیث میں یہ امام سفیان ثوری' حسن بن حی اور فضیل بن مرزوق اور مغیرہ بن مسلم السراج سے روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے اسد بن موسیٰ' مومل بن اسماعیل۔ زھیر بن عباد اور امام حمیدی وغیرھم ہیں رحمھم اللہ اجمعین۔

(تہذیب ص ۸ ج ۳)

امام ذہبی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ (الکاشف ص ۱۸۷ ج ۱)

الغرض یہ حدیث میں ثقہ تھے لیکن حدیث کی معروف کتابوں میں خصوصاً صحاح ستہ میں سوائے ابوداؤد کے کسی اور کتاب میں ان کی سند سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے۔ صرف ابوداؤد میں ان سے ایک روایت ہے امام احمد بن حنبل سے ان کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

كان صاحب رای ولم يكن صاحب حديث سمعت منه حديثين۔

یہ اہل الرای سے تھے اہل حدیث سے نہ تھے میں نے ان سے صرف دو حدیثیں سنی ہیں۔ (تہذیب ص ۸ ج ۳)

امام احمد کا شاید یہ مطلب ہو کہ یہ حدیث دانی میں بہت کم دسترس رکھتے

تھے اکثر ان کا مشغلہ اہل الرای والا (قیاس وغیرہ) تھا یہی وجہ ہے کہ امام فضیل بن عیاض سے جب کوئی (فقہی) مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ سائل کو قاضی حماد کے پاس جانے کا مشورہ دیتے۔

قضاۃ سے فرار

یہ کتنی دیر قاضی رہے اس کی تفصیل راقم الحروف پر واضح نہیں ہاں البتہ ابن عمار فرماتے ہیں۔

یہ مدائن کے قاضی تھے اور وہاں سے بھاگ گئے یہ ثقہ لوگوں میں سے تھے میں نے ان کو مکہ مکرمہ میں دیکھا ہے۔ (تہذیب ص ۸ ج ۳)

رکنیت

ان کے بارہ میں یہ تفصیل مجہول ہے کہ یہ کب پیدا ہوئے اور کس سن میں علم کی تحصیل کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اور کب فراغت پائی اور پھر عمر کے کس حصہ میں انہوں نے اس مجلس کی رکنیت اختیار کی اور اس وقت کمیٹی کی تشکیل کو کتنا عرصہ بیت چکا تھا اور انہوں نے بحیثیت رکن کمیٹی کون کون سی خدمات سرانجام دیں۔



(۹) حماد بن ابی حنیفہ

وفات ۱۷۶

صاحب انوار نے ان کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ

حماد فقیہ محدث اور بڑے عابد و زاہد تھے حدیث و فقہ میں آپ کے بڑے استاذ خود امام اعظم ہیں اور امام صاحب کی زندگی میں بھی بوجہ کمال مہارت فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ امام ابویوسف، زفر، ابن زیاد کے طبقہ میں سے تھے اور تدوین فقہ میں شریک تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۷۰ ج ۱)

علامہ شبلی صاحب نے ان کا تدوین فقہ میں تذکرہ نہیں فرمایا۔

علمی مقام

موصوف حماد کے علمی مقام کے بارہ میں راقم کو زیادہ معلومات نہیں ہیں زیادہ تر حنفی مراجع ہیں جن میں ان کو فقیہ یا بعض نے محدث بھی قرار دیا ہے مگر ہمارے سامنے ان کے فقیہانہ فتوے بھی موجود نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی روایات حدیث کی کسی معتبر اور مسلم کتاب میں پائی جاتی ہیں کہ جس سے ان کے علمی مقام کا معیار سامنے آجاتا ہو۔ ہاں ان کے زھد و ورع کی شہادتیں موجود ہیں۔

مذھب

امام ابن خلقان نے ان کے مذہب کے بارہ میں لکھا ہے کہ

انہ کان علی مذھب ابیہ وانہ کان صالحا خیرا

(لسان ص ۳۴۷)

اپنے باپ کے مذہب پر تھے نیک اور بہتر آدمی تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جناب حماد بھی اپنے باپ کی طرح مرجی المذہب تھے جس کی تفصیل کچھ اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ۔

موصوف ایک بار امام شریک کی عدالت میں گواہ کے طور پر پیش ہوئے۔ امام شریک نے ان سے پوچھا آپ نماز کو ایمان میں داخل سمجھتے ہیں یا نہیں؟ حماد صاحب نے فرمایا ہم تو یہاں شہادت دینے کے لئے آئے ہیں اور یہ بتلانے نہیں آئے کہ نماز ایمان میں داخل ہے یا نہیں۔ قاضی شریک فرمانے لگے جب تک آپ نماز کے ایمان میں داخل ہونے کا اقرار نہیں کریں گے ہم آپ کو گواہی اور شہادت دینے کی اجازت نہیں دیں گے۔ حماد صاحب کہنے لگے اچھا میں مان لیتا ہوں کہ نماز ایمان میں داخل ہے تب قاضی صاحب نے انہیں شہادت دینے کی اجازت دی۔

موصوف حماد کے ساتھیوں نے ان سے کہا آپ نے اپنا دین اور مذہب چھوڑ کر شریک کا مذہب کیوں اختیار کیا؟ حماد کہنے لگے شریک اس کے باوجود بھی میری شہادت کو کسی اچھے طریق سے رد کر دیں گے اور قبول نہیں کریں گے۔

(تاریخ بغداد ص ۲۸۸ ج ۹ و ص ۳۶۳ ج ۱۴ مختصرا)

اس واقعہ سے جناب حماد صاحب کا مرجی المذہب ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

جرح

ابو رجا کہتے ہیں۔

میں نے امام جریر سے حماد کی ایک روایت بیان کی تو امام جریر کہنے لگے۔ حماد نے جھوٹ بولا ہے ان سے کہہ دو تمہارا حدیث سے کیا تعلق تم تو محض جھگڑالو ہو۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد امام ابن عدی فرماتے ہیں۔

لا اعلم له رواية مستوية فاذكرها۔

(الکامل ص ۶۶۹ ج ۲ و لسان ص ۳۴۶ ج ۲)

مجھے حماد کی کسی درست روایت کا علم نہیں کہ جسے میں یہاں بطور مثال ذکر کروں۔

امام ابن عدی یہی حماد کے بیٹے اسماعیل کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

لیس هو ولا ابوه حماد ولا جده ابوحنیفه من اهل الروایات وثلاثهم قد ذکرتهم فی کتابی هذا فی جملة الضعفاء

(الکامل ص ۳۰۸ ج ا و میزان ص ۲۲۶ ج ۱)

اسماعیل اور اس کے والد حماد اور ان کے والد ابو حنیفہ محدثین میں سے نہیں ہیں۔

اور تینوں میں ضعف ہیں جن کا میں نے اپنی اس کتاب (الکامل) میں ذکر کیا ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں "حماد کو ابن عدی اور دیگر محدثین نے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔" **(میزان ص ۵۹۰ ج ۱)**

امام شریک نے جناب حماد کو افاک (جھوٹ گھڑنے والا) کہا ہے۔

(کتاب المجروحین ص ۲۷ ج ۳)

المختصر جناب حماد صاحب کی تضعیف اور تغلیط تو آپ کے سامنے ہے مگر راقم الحروف کو ان کی توثیق کسی معتبر ماخذ سے نہیں ملی۔

رکنیت

موصوف کی پیدائش کب ہوئی احناف میں اس کی مختلف روایات ہیں جن میں کوئی بھی پایہ اعتبار کو نہیں پہنچتی۔ صحیح تو یہی ہے کہ ان کے سن ولادت کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ جس سے ان کی رکنیت کا تعین کیا جا سکے۔

(۹) خالد بن سلیمان بلخی

ولادت ۱۱۵ھ **وفات ۱۹۹ھ**

انوار کے مولف نے خالد بن سلیمان بلخی کو بھی اس کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام خالد بن سلیمان بلخی متوفی ۱۹۹ھ عمر ۸۴ سال محدث و فقیہ اور امام اعظم کے تلامذہ میں سے اہل بلخ کے امام اور شرکاء مجلس تدوین میں تھے۔ امام صاحب نے ان میں افتاء کی صلاحیت دیکھ کر فتوی نویسی میں ان کو متخصص بنا دیا تھا محمد بن طلحہ شیخ بخاری کے استاذ ہیں لہذا امام بخاری کے شیخ الشیخ اور امام اعظم سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۲۱۰ ج ۱)

علمی مقام

ایسے فقیہ' محدث اور فتویٰ نویسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کا ڈپلومہ رکھنے والے شخص کے حالات رجال کی معروف کتابوں میں نہیں ہیں علامہ ندوی صاحب نے مشائخ بلخ کے حوالہ سے ان کے کچھ حالات بیان کئے ہیں جن سے زیادہ سے زیادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام صاحب کے شاگرد قاضی ابو یوسف اور ابو مطیع بلخی کے خلیق و زمیل تھے اور پھر یہ لکھا ہے کہ خالد بن سلیمان ان افراد میں سے تھے جن پر حدیث غالب تھی اور ان کا بطور فقیہ کوئی شمار نہیں تھا۔

(لمحات ص ۵۳۳ ج ۴)

جرح

فقہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند کے مالک محدثین کرام کی نظر میں محض ایک ضعیف راوی کا درجہ رکھتے ہیں امام ابن معین فرماتے ہیں۔ ضعیف ہے اور امام ابن عدی فرماتے ہیں۔

له احاديث شبه الموضوعة فلا ادری من قبله او من قبل الراوی عنه ومثل تلک الروایة التی یرویها هو یوجب ان یکون ضعیفا (الکامل ص ۹۱۵ ج ۳)

اس کی حدیثیں موضوع اور من گھڑت راویتوں کے مشابہ ہیں مجھے علم نہیں کہ ایسی روایات اس کی طرف سے ہیں یا اس راوی کی طرف سے ہیں جو اس سے روایت کرتا ہے بہرحال جو بھی ہے اس کی روایات ضعف کو واجب کرتی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بطور مثال امام دار قطنی کے حوالہ سے اس کی ایک روایت بیان کی ہے جس کو یہ عمرو بن دینار کے حوالہ سے مرفوع بیان کرتا ہے کہ۔

وزن اہل مدینہ کا معتبر ہے اور ماپ اہل مکہ کا۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں یہ روایت غریب ہے ابو معاذ (کنیت خالد) اس کے بیان کرنے میں متفرد ہے۔ حافظ ابن حجر اس پر ریمارک دیتے ہوئے فرماتے ہیں اس سند کے ساتھ یہ روایت منکر ہے۔ خلیلی نے الارشاد' میں فرمایا اس (خالد) کی روایت منکر اور معروف دونوں طرح کی ہے بعض تو اس کی روایتیں درست ہیں اور بعض ایسی ہیں جن کی کوئی متابعت نہیں ہوتی اور یہ ضعیف راویوں سے بیان کرتا ہے۔ (لسان ص ۳۷۷)

اس تفصیل سے موصوف کا راوی کی حیثیت سے مقام و مرتبہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ جس کمیٹی کے فقہ میں متخصص یعنی ڈاکٹریٹ (P-H-D) کی ڈگری حاصل کرنے والے کی یہ حالت ہے کہ وہ حدیث کے معاملہ میں ساقط اور ناقابل اعتماد ہے اور جو اس ڈگری کے حامل نہیں تو ان کی روایت کا شمار کس اعتبار میں ہو گا اور پھر مقام تعجب ہے کہ ایسا باکمال مفتی کہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں ان کی سند سے کوئی قابل ذکر اور قابل اعتماد حدیث مروی نہیں ہے اگر ان کی روایت کسی کتاب میں ہے تو اس کتاب کا شمار درجہ رابعہ کی کتابوں میں ہے جو کذاب راویوں کی کرشمہ ہیں میری مراد جامع المسانید جس کو خوارزمی نے معروف زمانہ کذابوں حارثی اور شاذ کونی کے واسطہ اور اسناد سے جمع کیا ہے۔

رکنیت

علماء احناف کی تحقیق کے مطابق خالد ۱۱۵ھ کو سرزمین بلخ میں پیدا ہوئے مولانا عبدالحی لکھنوی نے ان کی عمر اتنی بیان کی ہے جس سے ان کی پیدائش ۱۱۵ھ بنتی ہے۔ (الفوائد البھیہ)

قارئین کرام! ذرا سوچئے عراق سے بہت دور ارض بلخ میں پیدا ہونے والا بچہ کس عمر میں جوان ہوا ہو گا اور پھر علم حاصل کرنے کے بعد وہ کب اور کس سن میں امام صاحب کی مصاحبت میں آئے ہوں گے اور کتنی دیر میں فقہ اور فتویٰ نویسی میں P-H-D کی ہو گی اور پھر کس سن میں مجلس کی رکنیت اختیار کی ہو گی اور تو اور حنفی مراجع بھی ان شکوک و شبہات کے زائل اور رفع کرنے میں قارئین کرام کا ساتھ نہیں دیتے بلکہ خاموش ہیں۔

ہاں بالفرض اگر یہ رکن تھے اور فتویٰ نویسی کا شعبہ ان کے سپرد تھا کیونکہ یہ دوسروں سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی وجہ سے امتیازی مقام رکھتے تھے اور اس شعبہ میں انہیں مکمل مہارت تھی تو ان کا مرتب کردہ مجموعہ فتاویٰ کہاں گم ہوگیا اور کس خطہ زمین میں کھو گیا۔ مگر واضح ہے کہ آج تک دنیا والوں کے سامنے موصوف کے نوشتہ فتووں کی نمائش نہیں ہو سکی جس سے اس افسانوی کہانی کا راز از خود منکشف ہو جاتا ہے۔

(۱۰) امام داؤد بن نصیر طائی

وفات ۱۶۰

امام داؤد طائی کو علامہ شبلی، صارم اور صاحب انوار نے فقہ ساز کمیٹی کا رکن بتلایا ہے اور آخر الذکر نے ان کے بارہ میں تحریر کیا ہے کہ

امام داؤد طائی حنفی متوفی ۱۶۰ھ امام ربانی، امام حدیث، محدث، ثقہ، زاہد، اعلم افضل اور اروع زمانہ تھے۔ ضروری علم حاصل کرنے کے بعد امام اعمش، ابن ابی لیلیٰ سے حدیث پڑھی۔ پھر امام صاحب کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ بیس سال تک ان سے استفادہ کرتے رہے اور ان کے کبار اصحاب و شرکاء تدوین میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۱۶۷ ج ۱)

علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے۔ (سیرت نعمان ص ۳۷۵)

علمی مقام و بصیرت

امام داؤد معروف محدث تھے امام اعمش، حمید طویل، سعد بن سعید اور ابن ابی لیلیٰ کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح ان سے روایت کرنے والے امام عبداللہ بن ادریس ابن عینیہ اور امام وکیع جیسے فاضل اور ثقہ حضرات ہیں۔ یہ خود بھی فقیہ تھے اور امام صاحب سے ابتداء" ان کی مجلس بھی تھی مگر بعد میں امام صاحب کی مجلس کو خیرباد کہہ گئے تھے اور امام صاحب سے ان کی زندگی میں ہی قطع تعلق کر گئے تھے اور جو لکھا تھا اسے دریا کی طغیانوں کے حوالہ کر کے خود خلوت نشین ہو گئے تھے جیسا کہ علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ۔

انہوں نے اپنی تمام کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور تمام چیزوں سے قطع تعلق کر دیا۔ (سیرت نعمان ص ۳۷۵)

امام ابوداؤد کے بقول انہوں نے کتابوں کو دفن کر دیا تھا۔

(تہذیب ص ۲۰۳ ج ۳)

بہرحال جو بھی ہوا انہوں نے اپنی کتابوں کو ضائع کر دیا تھا اور ان کا یہ فیصلہ جذباتی نہیں تھا بلکہ اس میں ان کی بصیرت کو بڑا دخل تھا۔ امام ثوری فرماتے ہیں۔

ابصر الطائی امرہ طائی نے اپنے امر میں بصیرت حاصل کر لی تھی۔

(تہذیب ص ۲۰۳ ج ۲)

امام ابن عینیہ فرماتے ہیں۔

امام داؤد طائی صاحب علم و فقہ و صاحب عمل تھے پہلے وہ ابو حنیفہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے ایک دن موصوف نے کسی آدمی پر کنکری پھینک دی۔ تو امام صاحب ان سے کہنے لگے زبان درازی کے ساتھ اب تم دست درازی کرنے لگے ہو۔ اس کے بعد امام طائی کچھ دنوں تک امام صاحب کے پاس آکر خاموش رہا کرتے تھے پھر جب انہیں بصیرت ہو گئی تو انہوں نے کتابیں دریا برد کر دیں اور مشغول عبادت ہو گئے۔ (اللمحات ص ۱۸ ج ۴)

بصیرت کیا تھی

امام عمیر بن صدقہ نے فرمایا۔

میں اور داؤد طائی دوست تھے ہم سب امام ابو حنیفہ کے حلقہ میں بیٹھا کرتے تھے جب داؤد طائی مجلس ابی حنیفہ سے الگ ہوئے تو میں نے کہا آپ نے ہمارے ساتھ جفا کی ہے تو اس پر امام طائی نے فرمایا۔ لیس مجلسکم ناک من امر الاخرۃ فی شئی ثم قال استغفر اللہ استغفر اللہ ثم قام و ترکنی

(اخبار ابی حنیفہ للصمیری ص ۱۱۳)

تمہاری اس مجلس کا امور آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔

(حلیتہ الاولیاء ص ۳۴۴ ج ۷)

امام طائی نے اپنی بیس سالہ مصاحبت کا یہی نتیجہ نکالا تھا کہ اہل الرای کی مجلس جن مسائل پر غور و خوض کرتی ہے ان کا آخرت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اس کی وجہ امام طائی خود بیان کرتے ہیں۔

میں نے اس شخص اور اس کے اصحاب کے دلوں کو غافل پایا۔ اور ان کے ہاں سنت نبویؐ کو مردہ پایا۔ ان کے اغراض و مقصد میں خدا طلبی کے بجائے مختلف دنیاوی مطامع کو مخفی پایا۔ ان میں دنیا طلبی کا ترجیحی ذوق پایا۔ لہٰذا میں نے ان کی مجلس چھوڑ کر گوشہ گیری و خانہ نشینی میں عافیت محسوس کی اور خانہ نشین ہو کر عبادت میں لگ گیا۔

اخبار ابی حنیفہ للصمیری ص ۱۱۳ و المحات ص ۲۱ ج ۴)

رکنیت

کیا اتنی بصیرت اور خلوت نشینی کے بعد بھی وہ فقہ ساز کمیٹی کے رکن تھے؟

(۱۱) امام زفر بن ھزیلؒ

ولادت ۱۱۰ھ　　　　　　　　　　　　　　　　　　وفات ۱۵۸ھ

علامہ شبلی نعمانی' صارم صاحب اور مقدمہ انوار کے مولف نے امام زفر کو بھی اس کمیٹی کا اہم رکن قرار دیا ہے اور ان کے بہت سے مناقب اور فضائل بیان کئے ہیں۔ صاحب انوار نے تو ان کے تعارف اور مناقب میں اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے بلکہ کمیٹی کے اراکین کے تعارف کا آغاز امام زفر سے ہی کیا ہے۔ علامہ شبلی صاحب نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ

فقہ میں ان کا رتبہ امام حمد سے بھی زیادہ مانا جاتا ہے (سیرت نعمان ص ۳۹۵)

علمی مقام

اس میں تو شک نہیں کہ امام زفر نے امام صاحب سے بہت سا فیض اٹھایا اور علمی منازل طے کئے حتیٰ کہ امام صاحب کے درس کا رنگ ان پر اتنا غالب ہوا کہ قیاسی کے نام سے معروف ہو گئے۔ جس کا ذکر علامہ شبلی نے بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان کو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا۔ امام ابو حنیفہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی میرے شاگردوں میں سے سب سے زیادہ قیاس کرتے ہیں۔ (سیرت نعمان ص ۳۹۵)

یہ قیاس میں کس حد تک تجاوز کرتے تھے اس کا ایک ہلکا سا خاکہ امام ابن تیمیہ نے کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے۔

لا تاخذ وا بمقا ییس زفر فانکم ان اخذ تم بمقاییسہ حرمتم الحلال و حللتم الحرام

قال ابن تیمیہ فان زفر کان کثیر الطرد لمایظنہ من القیاس مع قلۃ علمہ بالنصوص (مجموع فتاوی ص ۴۷ ج ۴)

تم زفر کے قیاس نہ لیا کرو۔ اگر تم نے زفر کے قیاسات پر عمل کیا تو تم حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھو گے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں زفر بہت زیادہ قیاس کرتے تھے باوجودیکہ نصوص کا علم بہت کم تھا۔

امام زفر کی وجہ سے بصرہ میں حنفی آراء و قیاس کو شہرت ہوئی۔ چونکہ وہ ایسا دور تھا جبکہ رائے اور قیاس کو اتنی اہمیت حاصل نہ تھی اس وقت کے قاضی عموما قیاس و آراء سے نفرت کرتے تھے۔ بصرہ میں اس وقت امام سوار بن عبداللہ قاضی تھے ایک روز امام زفر نے قاضی سوار سے ملاقات کا پروگرام بنایا اور قاضی صاحب سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ قاضی صاحب نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ حارث بن مالک قاضی سوار سے کہنے لگے زفر ملاقات چاہ رہے ہیں جو اہل علم اور خاندانی آدمی ہیں آپ نے اجازت سے کیوں انکار کر دیا۔ قاضی سوار فرمانے لگے ہاں خاندانی فرد تو ہیں مگر اہل علم سے نہیں۔ یہ ہمارے ہاں (بصرہ میں) ابو حنیفہ کی رائے کی بدعت لے کر آئے ہیں۔ ان سے کہہ دو اگر یہ ضرور ہی ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہمارے ساتھ کوئی علمی گفتگو نہ کریں۔ (لسان ص ۴۷۷ ج ۲)

امام عقیلی نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے کہ

امام معاذ بن معاذ فرماتے ہیں۔ میں قاضی سوار کے پاس تھا تو دربان آیا اور کہنے لگا زفر دروازہ پر تشریف فرما ہیں۔ قاضی سوار کہنے لگے زفر جو رائے اور قیاس والا ہے۔ اگر وہی ہے تو ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بدعتی ہے پھر کسی کی سفارش پر اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ جب وہ اندر آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ مگر قاضی سوار نے نہ سلام کا جواب دیا اور نہ ہی ان سے مصافحہ کیا۔ حالانکہ امام زفر نے سلام بھی کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بھی بڑھایا تھا۔ امام زفر جیسے آئے ویسے واپس ہو گئے۔ (عقیلی مفہوما ص ۹۹ ج ۳)

امام زفر بہت سے اوصاف کے حامل تھے مگر علماء کا ان سے ایسا رویہ محض

قیاس میں انہماک کی وجہ سے تھا جو ان کا ایک مشغلہ بن چکا تھا۔ جسے علماء اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔

مذہب

اس وقت کے عام زیر گردش اعتقادی مسائل میں تو امام زفر کے بارہ میں تفصیل نہیں مل سکی ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کا اپنا ایک مقام تھا جیسا کہ امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

لم یسلک مسلک صاحبیه وکان اقیس اصحابه واکثرهم رجوعا الی الحق۔

(لسان ص ۴۷٦ ج ۲)

وہ اپنے اصحاب کے مسلک پر نہیں تھے۔ امام صاحب کے تمام اصحاب میں قیاس کے زیادہ ماہر تھے اور حق کی طرف بھی ان سب میں سے زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔

نظریہ تقلید

امام زفر کو اپنے استاذ کے مذہب سے اصولی اور فروعی مسائل میں بھی زبردست اختلاف تھا جس کی واضح شہادت فقہ حنفیہ کی معروف کتابیں ہیں۔ یہاں امام صاحب سے امام زفر کے اختلافی مذاہب کو بیان کیا گیا ہے اور بقول صارم صاحب

امام زفر کی رائے بیس مسائل میں قبول کی گئی ہے۔ (تاریخ الفقہ ص ۱۲۰)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زفر تقلید کے قائل نہ تھے۔ امام عصام بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ ایک ماتم میں امام ابو حنیفہ کے چار شاگرد جمع تھے جن میں ایک زفر بھی تھے تو انہوں نے بالاتفاق یہ کہا۔

انه لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلناه

(ایقاظ ھمم اولی الابصار ص ۵۲)

ہمارے قول کی دلیل معلوم کئے بغیر کسی کو بھی یہ جائز نہیں کہ وہ فتویٰ دے۔

اور جب دلیل معلوم ہو جائے تو وہ تقلید نہ رہ جائے گی اس لئے کہ دلیل معلوم کرنا تقلید کی ضد ہے۔

جرح وتعدیل

امام زفر روایت کی حیثیت سے مختلف فیہ ہیں۔ امام ابن معین نے انہیں ثقہ اور مامون فرمایا ہے حافظ ابن حبان انہیں متقن کہتے ہیں اور امام ذھبی کے نزدیک صدوق ہیں۔ (لسان ص ۴۳۷ ج ۲)

مگر امام سفیان ثوری ان سے روایت لینے سے منع کرتے تھے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ (عقیلی ص ۹۸ ج ۳)

امام ابن سعد فرماتے ہیں لم یکن فی الحدیث بشئی یہ حدیث میں کچھ بھی نہیں تھے۔ (میزان ص ۷۱ ج ۲)

بہرحال یہ درجہ صدوق کے حامل تھے مگر ان کے صدوق ہونے کا کیا فائدہ جبکہ ان کی روایت حدیث کی کسی معروف کتاب میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کی کوئی اپنی کتاب ہے کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

رکنیت

کمیٹی کی تشکیل کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی کیا اتنی عمر کا بچہ کمیٹی کی شرائط رکنیت پر پورا اتر سکتا ہے؟

(۱۲) امام زہیر بن معاویہ رح

ولادت ۱۰۰ھ وفات ۱۷۲ھ

صاحب انوار فرماتے ہیں۔

زہیر امام اعظم کے اصحاب میں سے مشہور محدث ثقہ، فقیہ، فاضل اور تدوین فقہ کے شریک ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۱۷۰ ج ۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام زہیر مشہور اور ثقہ محدث ہیں اکابر محدثین سے ان کا تلمذ ہے اور ان سے بھی معروف محدثین نے حدیث کی روایت کی ہے صحاح ستہ کے ایک مرکزی اور معروف راوی ہیں۔ ویسے یہ اساتذہ کے اعتبار سے امام صاحب کے ہم مکتب اور خلیق ہیں۔ جو امام صاحب کے اساتذہ ہیں تقریبا وہی اساتذہ ان کے ہیں۔

مذہب

امام زہیر مسلک محدثین کے متبع تھے خصوصا امام سفیان ثوری سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے اہل عراق ان کے بارہ میں جبکہ امام ثوری ابھی بقید حیات تھے کہا کرتے تھے کہ

انا مات الثوری ففی زهیر خلف (تہذیب ص ۳۵۲ ج ۳)

امام ثوری کی وفات کے بعد ان کے جانشین زہیر ہوں گے۔

امام ثوری کے امام صاحب سے اعتقادی اور فروعی اختلافات اور پھر امام ثوری کا امام صاحب کے بارہ میں مخالفانہ نظریہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ امام ثوری اور امام صاحب کی رائیں آپس میں متضاد اور مختلف تھیں۔ اگر زہیر امام صاحب کے حلقہ اور بلاک سے معلق ہوتے تو اہل عراق ان کو امام ثوری کا جانشین کبھی خیال نہ کرتے۔ بلکہ یہ حق ہے کہ امام زہیر کا شمار محدثین اور اصحاب سنت میں سے ہے امام ابن عینیہ فرماتے ہیں۔

تم زہیر کو لازم پکڑو کوفہ میں ان جیسا کوئی اور صاحب علم نہیں۔

اور یہ تو واضح ہے کہ امام ابن عیینہ بھی اہل سنت سے تھے وہ عراقیوں کے نئے ایجاد کردہ مذاہب سے سخت متنفر اور نالاں تھے امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

زہیر ثقہ اور صاحب ۔ (تہذیب ص ۳۵۲ ج ۲)

صاحب سنت کا لفظ اس دور میں مرجیہ اور دیگر فرق ضالہ کے خلاف بولا جاتا تھا۔

رکنیت

علامہ محمد رئیس ندوی الانتقاء ابن عبدالبر ص ۴۰ کے حوالہ سے عمرو بن خالد سے نقل کرتے ہیں کہ زہیر نے کہا میں نے امام صاحب سے امان غلام کی بابت مسئلہ پوچھا تو ان کے دیئے ہوئے جواب کے خلاف میں نے حضرت عمر کا فرمان نقل کیا اس پر امام صاحب خاموش ہو گئے اس کے بعد میں کوفہ سے دس سال غائب رہا پھر جب واپس آیا تو دیکھا کہ امام صاحب نے اپنے پرانے فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے جس سے میں نے سمجھا کہ امام صاحب سنی ہوئی (بغیر تحقیق کئے) احادیث کو مانتے ہیں۔ (لمحات، ص ۵۴ ج ۴)

کیا ایسے شخص سے امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ امام صاحب کی زیر نگرانی قائم ہونے والی کمیٹی کے رکن ہوں۔

(۱۳) قاضی شریک بن عبداللہ الکوفی

ولادت ۹۵ھ وفات ۱۷۷ھ

صاحب انوار نے قاضی شریک کو بھی حنفی فقہ ساز کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے اور فرمایا ہے شریک امام اعظم کی خدمت میں بہت رہے ان سے روایت حدیث بھی کی آپ کے مخصوص اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں تھے۔

(مقدمہ انوار ص ۱۷۱ ج ۱)

علمی مقام

شریک بلاشبہ عالم اسلام کے معروف قاضی تھے عدل و انصاف، حلم و وقار کے اوصاف سے متصف تھے۔ سنت کے عامل اور بدعات کا قلع قمع کرتے تھے مسلک محدثین یعنی اہل سنت والجماعت کے پابند اور مرجیہ وغیرہ کے سخت مخالف تھے۔ علم حدیث میں بحیثیت راوی حدیث مختلف فیہ ہیں اور ان کے بارہ میں صحیح رائے یہی ہے کہ جب ثقات کی مخالفت نہ کریں تو حسن درجہ کے راوی ہیں۔ کتب سنن میں ان سے بکثرت روایات مروی ہیں۔

ائمہ احناف کے بارے میں رویہ

قاضی شریک کو حنفی فقہ ساز کمیٹی کا رکن قرار دینے پر ہمیں مولف انوار پر سخت تعجب ہے اس لئے کہ قاضی شریک اور ائمہ احناف آپس میں بالکل دو متضاد چیزیں ہیں۔ قاضی صاحب کا ائمہ احناف کے بارہ میں جو رویہ ہے وہ کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں اگر اس رویہ کو من و عن حوالہ قرطاس کیا جائے تو بات طول پکڑ جائے گی۔ لہٰذا ہم تھوڑا سا خاکہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

(۱) منصور بن مزاحم فرماتے ہیں میں نے قاضی شریک سے سنا وہ فرماتے تھے کوفہ کے ہر محلہ میں شراب فروشی تو مجھے گوارہ ہے مگر وہاں کسی حنفی

المذہب کا ہونا گوارہ نہیں۔

(کتاب السنہ ص ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۱۵ ج الکامل ص ۱۳۲۴ ج ۴)

(۲) اصحاب ابی حنیفہ مسلمانوں کے لئے فتی چوروں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔

(۳) ابو نعیم فرماتے ہیں قاضی شریک امام ابو حنیفہ کے بارہ میں سیئی الرائی تھے اور کہتے تھے احناف کا مذہب احادیث رسول کو رد کرنے کا ہے۔ (کتاب السنہ ص ۲۰۴ ج ۱)

(۴) حماد بن ابی حنیفہ کے ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ قاضی موصوف نے جناب حماد کی شہادت اس لئے لینا منظور نہ کی کہ وہ طائفہ مرجیہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے حماد کو افاک قرار دیا تھا۔ بلاشبہ مرجیئوں کو بدعتی سمجھتے تھے جس کی وجہ سے وہ ان سے اپنی عدالت میں شہادت نہیں لیتے تھے۔

رکنیت کمیٹی

قاضی شریک کا ائمہ احناف کے بارہ میں ایسا متشددانہ رویہ غالبا ان کے وسیع تجربات کی وجہ سے تھا کیونکہ بقول مولف انوار وہ امام صاحب کی مجلس میں بہت زیادہ وقت دیتے تھے دوسرے لفظوں میں قاضی نے وہیں سے پایا اور ان کے خلاف ہو گئے۔ اور یہ اختلاف اصولوں کا تھا کیونکہ ایسے عادل آدمی سے محض تعصب اور حسد کی وجہ سے ایسی امید رکھنا زیب نہیں دیتی۔ حافظ ابن حجر ان کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

صدوق کثیر الخطاء تھے جب سے قاضی بنے تھے حافظہ متغیر ہو گیا تھا بذات خود عادل، فاضل اور عابد تھے بدعتیوں کے بارہ میں رویہ زیادہ سخت رکھتے تھے۔ (تقریب ص ۱۴۵)

کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص مذکورہ کمیٹی کا رکن ہو اور تدوین فقہ میں ان کا ساتھ دیتا ہو۔

مولف داستانِ حنفیہ کی دیگر مطبوعہ تصنیفات

۱۔ دینِ تصوف

۲۔ آمین بالجہر

۳۔ مقلدین ائمہ کی عدالت میں

۴۔ طریقۃ السعید بر تقوی رشید

۵۔ جرابوں پر مسح (مقالہ)

۶۔ موضوع روایات تاریخ و اسباب (مقالہ)

۷۔ ضربِ شدید علیٰ اہلِ تقلید

(۱۴) امام شعیب بن اسحاق دمشقی

ولادت ۱۱۸ھ وفات ۱۸۹ھ

بقول مولف انوار

امام شعیب بن اسحاق امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین میں بڑے پایہ کے محدث و فقیہ تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۸ ج ۱)

علمی مقام

موصوف بلاشبہ محدث تھے حدیث میں امام ابن جریج، اوزاعی، ہشام بن عروہ اور امام ثوری کے شاگرد تھے ان کو امام صاحب سے بھی تلمذ حاصل تھا۔ ان سے بھی محدثین کرام کی ایک جماعت نے استفادہ کیا ہے جن میں امام اسحاق بن راھویہ معروف محدث اور ثقہ و ناقد امام بھی ہیں۔ ترمذی شریف کے علاوہ باقی صحاح کی پانچوں کتابوں میں ان کے طریق سے احادیث مروی ہیں۔

مذہب

حدیث اور روایت میں ثقہ ہونے کے باوجود مرجی تھے۔

رکنیت

امام دحیم جو جرح و تعدیل کے معروف امام ہیں وہ فرماتے ہیں۔

امام شعیب ۱۱۸ھ کو پیدا ہوئے ہیں۔ (تہذیب ص ۳۴۸ ج ۴)

ان کی ولادت باسعادت شام میں ہوئی جو کوفہ سے کافی دور دراز کی مسافت پر واقع ہے۔ وہیں پروان چڑھے عالم شباب میں علم کی خاطر دور دراز کا سفر اختیار کیا اور کوفہ میں بھی تشریف لائے اور امام صاحب سے بھی انہوں نے استفادہ کیا مگر راقم کے علم میں نہیں کہ وہ سرزمین کوفہ میں کب وارد ہوئے اور امام صاحب سے

تلمذ کب اور کتنی دیر تک رہا اور پھر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ وہ فراغت کے بعد اس کمیٹی کے رکن بنے ہوں اور فی الواقع ان کا رکن ہونا بھی قرین قیاس نہیں کیونکہ وہ کمیٹی کی تشکیل سے صرف دو سال پہلے پیدا ہوئے ہیں اور جب کمیٹی کی تشکیل ہو رہی تھی تو وہ اس وقت رضاعت کی مدت میں تھے۔ جب کہ مشعر یہ کرایا جاتا ہے کہ امام صاحب نے جب اس مجلس کو قائم کیا تھا تو اس کی مسلسل تشکیل ان چالیس ارکان کے انتخاب پر تھی۔ تو کیا دودھ پیتا بچہ فقیہ' محدث اور درجہ اجتہاد کو پہنچ سکتا ہے؟ این محال است۔

(۱۵) امام ابو عاصم ضحاک بن مخلدؒ

ولادت ۱۲۲ھ　　　　　وفات ۲۱۲ھ

علامہ شبلی اور صاحب انوار نے ان کو بھی تدوین کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے اور ان کے بہت سے مناقب اور فضائل بیان کئے ہیں صاحب انورا نے ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ

امام ابو عاصم النبیل ضحاک امام اعظم کے تلامذہ و اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے محدث، ثقہ، فاضل معتمد، فقیہ کامل تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۲۱ ج ۱)

علمی مقام

بلاشبہ امام ضحاک بن مخلد بہت بڑے محدث تھے اپنے دور کے تمام بڑے محدثین کرام سے فیض حاصل کیا جن میں امام مالک، امام ثوری، امام ابن جریج، امام اوزاعی، امام سعید بن ابی عروبہ جیسے کامل فن شامل ہیں۔ اسی طرح ان کے اصحاب اور تلامذہ میں نامور محدثین ہیں جن میں امام احمد، امام اسحاق بن راھویہ، علی بن المدینی، امام ذھلی، امام عباس عنبری، امام محمد بن عبداللہ بن نمیروغیرھم ہیں رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ (تہذیب ص ۴۵۱ ج ۴)

یہ بالاتفاق ثقہ اور کتب صحاح ستہ کے معروف راوی ہیں۔

مذہب

امام ضحاک کے عقائد کے بارہ میں تو تفصیل نہیں مل سکی ہاں یہ ضرور معلوم ہے کہ موصوف کا تعلق امام سفیان ثوری سے بہت گہرا تھا۔ اور امام سفیان ثوری عقائد میں اہل سنت کے امام تھے۔ جبکہ ان کے امام صاحب سے بعض اعتقادی امور میں شدید اختلافات تھے اور پھر امام ثوری ان اعتقادات میں مخالفت کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے تو جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ضحاک امام سفیان

ثوری کے ہی متبعین میں سے تھے۔ واللہ اعلم۔

رکنیت

امام ضحاک خود فرماتے ہیں کہ میں ۱۲۲ھ کو پیدا ہوا اور پھر یہ مکی ہیں۔ (تہذیب ص ۴۵۱ ج ۴)

تو اس لحاظ سے امام ضحاک کی ولادت اس فرضی کمیٹی کے تشکیل پا جانے کے دو سال بعد ہوئی ہے اور وہ بھی کوفہ سے بہت دور مکہ مکرمہ میں۔ پھر وہ مکہ ہی میں جوان ہوئے وہی سے امام ابن جریج کے درسگاہ میں تعلیم حاصل کی پھر وہاں سے بصرہ تشریف لے آئے اور پھر تادم واپسیں بصرہ میں ہی مقیم رہے۔ (تہذیب ص ۴۵۱ ج ۴)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ضحاک تعلیم حاصل کرنے کی خاطر مکہ اور بصرہ سے باہر نہیں گئے۔ ان کا مستقبل قیام ان دونوں شہروں میں ہی رہا ہے امام ابو حنیفہ سے ان کا تلمذ کسی معتبر ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکا۔ ہاں ممکن ہے کہ وہ کسی وقت کوفہ میں آئے ہوں اور امام صاحب کے مدرسے میں تشریف لے گئے ہوں تو اس سے ان کا تلمذ ثابت ہو گیا ہو۔ مگر اس کمیٹی کا رکن ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

علامہ شبلی مرحوم نے بھی ان کو صرف امام صاحب کا شاگرد ہی لکھا ہے اس کمیٹی کے رکن ہونے کا اعتراف انہوں نے بھی نہیں کیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

یہ امام صاحب کے مختص شاگردوں میں سے تھے۔ (سیرت نعمان ص ۲۷۲)

ان کا تدوین کمیٹی کا رکن ہونا صاحب انوار کے قلم کی صفائی کا نتیجہ ہے جو بلاشبہ افسانہ ہے ہاں یہ کمیٹی تو خود ہی ایک افسانہ ہے۔

(۱۶) امام عافیہ بن یزید

وفات ۱۸۰ھ

علامہ شبلی، صارم اور مولف انوار نے ان کو بھی رکن قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی نے اختصار سے اور مولف انوار نے تفصیل سے ان کا تعارف کرایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

امام عافیہ بڑے پایہ کے محدث صدوق اور فاضل فقیہ تھے۔ امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین میں سے خاص امتیاز مقام پر فائز تھے امام صاحب ان کے علم و فضل پر بڑا اعتماد کرتے اور فرماتے کہ جب تک عافیہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر نہ کریں اس وقت تک فیصلہ شدہ سمجھ کر قلمبند کرنے میں جلدی مت کیا کرو۔ (مقدمہ انوار ص ۱۷۱ ج ۱)

علامہ شبلی کے الفاظ ہیں۔ جب تک عافیہ نہ آچکیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔ (سیرت نعمان ص ۳۹۸)

علمی مقام

موصوف حدیث میں امام اعمش، محمد بن ابی لیلیٰ، ہشام بن عروہ وغیرہ محدثین کے شاگرد تھے اور ان کے شاگرد اسد بن موسیٰ، معاذ بن موسیٰ بن داؤد وغیرہم ہیں۔ رحمھم اللہ اجمعین۔ حدیث میں یہ ثقہ تھے۔ یہ معروف قاضی تھے مگر ان کے عقائد کے بارہ میں زیادہ تفصیل مہیا نہیں ہو سکی۔

رکنیت

موصوف امام صاحب کے تلامذہ میں سے تھے امام صاحب کے نزدیک ان کی ایسی قدر ہو گی جیسا کہ دونوں حضرات نے بیان کی ہے مگر جب ۱۲۰ھ میں یہ کمیٹی قائم ہوئی تھی اس وقت ان کی عمر کتنی تھی۔ اور آیا وہ اس وقت پیدا ہو چکے تھے

یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اور وہ علم کی تحصیل سے فارغ کب ہوئے اور پھر کس سن میں جا کر کمیٹی کے رکن بنے۔ ہاں ان دونوں حضرات کے بیانات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اس علمی مجلس کے طے شدہ مسئلہ کو قلمبند نہ کیا جاتا تھا جب تک عافیہ کی تصدیق نہ ہو جاتی۔ تو اس کا واضح مطلب ہے کہ امیر مجلس سمیت باقی انتالیس ارکان کو اس علمی مجلس میں وہ حیثیت حاصل نہ تھی جو اکیلے عافیہ کو تھی جب تک عافیہ کی تصدیق اور رائے شامل نہ ہوتی تھی تو باقی تمام اراکین کی تحقیق کو درخود اعتناء نہ سمجھا جاتا تھا یعنی علمی طور پر امیر مجلس سمیت تمام اراکین سے عافیہ کا مقام بلند تھا۔ مگر یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی سچائی کے قرائن موجود نہیں ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتابوں میں بہت سے ائمہ احناف کے اقوال اور فتاوے درج ہیں لیکن قاضی عافیہ کے فتاوے نظر نہیں آتے۔

پھر ان دونوں حضرات کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی عافیہ کی تصدیق کے ساتھ مجلس علمی میں حل شدہ مسائل کو قلمبند کیا جاتا تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ قاضی عافیہ کی تصدیق سے تحریر اور ضبط شدہ مسائل اور فتاویٰ کہاں ہیں۔ کیا انہیں بعد والوں نے بے وقعت سمجھ کر ضائع کر دیا ہے۔

الغرض ان تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ آج تک ایسی کمیٹی قائم نہیں ہوئی جس میں قاضی عافیہ کی تصدیق سے مسائل قلمبند کئے گئے ہوں یہ تو محض ایک افسانہ ہے۔

(۱۷) امام عبداللہ بن ادریس رح

ولادت ۱۲۰ھ　　　　وفات ۱۹۲ھ

صاحب انوار نے امام عبداللہ بن ادریس کو بھی فقہ ساز کمیٹی میں شامل بتایا ہے۔ اور فرماتے ہیں امام عبداللہ بن ادریس کوفی مولود ۱۱۵ و متوفی ۱۹۲ محدث' ثقہ' صاحب سند تھے۔ کثیر الحدیث اصحاب امام شرکاء تدوین فقہ ہیں۔

(مقدمہ انوار ص ۲۰۵ ج ۱)

علمی مرتبہ

امام عبداللہ ثقہ اور قابل حجت محدث تھے۔ امام مالک ان کے استاذ بھی ہیں اور ان سے روایت بھی بیان کرتے ہیں اس طرح امام احمد بن حنبل' امام عبداللہ بن مبارک' ان کے تلامذہ کرام میں سے ہیں۔ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ثقاہت میں متفق علیہ ہیں۔ کسی محدث نے ان پر جرح نہیں کی۔

مذہب

موصوف محدثین کے مذہب و مسلک کے پیروکار تھے اہل الرائی سے ان کا مذہبا" کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رہا۔ امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں۔

کان عابدا" فاضلا" وکان یسلک فی کثیر من فتیاہ و مذ اھبہ مسلک اھل المد ینة وکان بینہ وبین مالک صداقة (تہذیب ص ۱۴۸ ج ۵)

یہ عابد اور فاضل تھے ان کے اکثر فتوے مذہب اہل مدینہ پر تھے ان کے اور امام مالک کے درمیان دوستی تھی۔

ظاہر ہے کہ مدینہ والوں کا مذہب اعتقاد اور احکام دونوں میں اہل الرای سے بہت مختلف ہے۔ مدینہ والوں کا مذہب اہل سنت و اہل حدیث کا مذہب ہے۔

امام ابن سعید فرماتے ہیں۔

موصوف اہل سنت والجماعت سے تھے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

یہ سنت میں بہت زیادہ پختہ تھے۔ (تہذیب ص ۱۴۵ ج ۵)

امام عجلی فرماتے ہیں "یہ ثبت' زاہد صالح اور صاحب سنت تھے اور نبیذ کو حرام کہتے تھے۔" (تاریخ الثقات ص ۲۴۹)

صاحب سنت ہونے کا یہ معنی ہے کہ یہ اہل حدیث سے تھے اہل ھوی اور اہل الرائی کے مذہب کے پیروکار نہیں تھے۔ اس کا تو تواتر کے ساتھ ثبوت ہے کہ امام صاحب اور ان کے بہت سے اخص تلامذہ مرجی مذہب کے پیروکار اور نبیذ کو حلال سمجھتے تھے۔ مگر امام عبداللہ بن ادریس نہ مرجی المذہب تھے اور نہ ہی نبیذ کو حلال سمجھتے تھے۔ بلکہ حرام کہتے تھے۔

الارجاء

امام خطیب نے بسند حسن امام عبداللہ بن ادریس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے امام صاحب سے دو مرتبہ توبہ کرائی گئی۔ اور فرماتے تھے۔

کذب من زعم ان الا یمان لا یزید ولا ینقص (تاریخ بغداد ص ۳۹۳ ج ۱۳)

وہ شخص کذاب ہے جو یہ گمان رکھتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا۔

امام عثمان بن محمد بن ابی شیبہ فرماتے ہیں۔

میں نے امام عبداللہ بن ادریس' امام جریر اور امام وکیع (رحمھم اللہ اجمعین) سے ایمان کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا۔

الایمان یزید وینقص (کتاب السنہ ص ۳۳۶ ج ۱)

کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبداللہ اہل الرائی کے مذہب پر نہیں تھے بلکہ ایسے مذہب (الرجاء) کے حاملین کو کذاب کہتے تھے۔

رکنیت

صاحب انوار نے غالبا ان کو اس لئے کمیٹی کا رکن بنا دیا ہے کہ وہ سرزمین کوفہ سے تعلق رکھتے تھے حالانکہ یہ کوئی ایسی وجہ نہیں کہ ان کو صرف کوفی ہونے کی وجہ سے امام صاحب کا ہم مذہب اور اس بے بنیاد کمیٹی کا رکن قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ اس وقت کوفہ میں محدثین کی اکثریت امام صاحب کے مذہب و آراء سے بالکل متنفر بلکہ سخت مخالف تھی اور ان محدثین میں سے موصوف بھی ایک ہیں جو امام صاحب سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ بسند صحیح منقول ہے کہ امام عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا ہمارے پاس تو علقمہ اور اسود جیسے (نامور فقیہ) ہیں تو امام مالک نے فرمایا۔ تمہارے پاس ابو حنیفہ بھی ہیں جس نے تمام امر کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔ (کتاب السنہ ص ۲۲۰ ج ۱)

امام مالک کے اس قول کی امام عبداللہ نے کوئی تردید نہیں کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی امام ابو حنیفہ کے ہمنوا نہ تھے۔ جیسا کہ ہم تاریخ بغداد کے حوالہ سے ان کے مذہب کی بحث میں ذکر کر آئے ہیں۔ کیا ایسا شخص جو امام صاحب کا اعتقاد اور احکام دونوں میں ہمنوا نہ ہو۔ بلکہ ان کے مذہب کو غلط سمجھتا ہو بھلا وہ ان کی قائم کردہ کمیٹی کا رکن بن سکتا ہے۔ پھر مولف انوار کے بقول وہ ۱۱۵ھ کو پیدا ہوئے تھے اور تاریخ بغداد ص ۴۲۰ و ص ۴۱۶ و تذکرۃ الحفاظ ص ۲۸۴ ج ۱ کی تصریحات کے مطابق ان کی پیدائش ۱۲۰ھ کو ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے ۱۱۰ھ اور قیل ۱۲۰ھ نقل کی ہے۔ صاحب لمحات فرماتے ہیں کہ ۱۱۰ھ تحریف یا تصحیف ہے تو گویا ان کی ولادت ۱۲۰ھ کو بنتی ہے۔ جب یہ کمیٹی تشکیل دی گئی تھی تو اس وقت عبداللہ شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔ یہ کمیٹی کیسی ہے کہ جس کے ارکان اپنی پیدائش سے بھی پہلے رکن بن جاتے ہیں۔

(۱۸) امام الائمہ عبداللہ بن مبارکؒ

ولادت ۱۱۹ھ　　　　　　　　　　　　وفات ۱۸۱ھ

علامہ شبلی صاحب اور انوار کے مولف نے امام عبداللہ بن مبارک کو بھی اس فقہ ساز کمیٹی کا رکن بتایا ہے۔ اور ان کے بہت سے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ شبلی صاحب ارقام ہیں۔

محدث نووی نے تہذیب الاسماء والصفات میں ان کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے۔

وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں اجماع کیاگیا ہے جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اس کی صحبت سے مغفرت کی امید کی جا سکتی ہے۔ (سیرت نعمان ص ۳۶۳)

علمی مقام

امام عبداللہ بن مبارک اسلام کے ان افراد سے ہیں جن پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے وہ اپنے دور کے محدث' فقیہ' زاہد' مبلغ' متبع سنت' بدعات سے متنفر اور جہاد بالسیف میں بنفس نفیس شرکت کرنے والے تھے۔ ہر وہ اچھا وصف جو کسی بھی انسان میں ہو سکتا ہے امام عبداللہ اس کے اہل اور حقدار تھے۔ ان کے مناقب اتنے کثیر ہیں کہ شاید اس دور کے کسی شخص کے حصہ میں نہ آئے ہوں۔ انہیں بڑے بڑے محدثین کرام سے تعلق اور تلمذ رہا ہے اس طرح فقہا سے بھی ان کا علمی تعلق تھا۔ امام صاحب سے بھی انہوں نے اکتساب فیض کیا ہے اس طرح ان کے تلامذہ میں بھی اس دور کے تمام اکابر محدثین شامل ہیں۔ ثقاہت تو اتنی کہ انہیں امیر المومنین فی الحدیث ہونے کا شرف حاصل ہے۔ صحاح ستہ اور دیگر تمام معروف اور مسلم حدیث کی کتابوں کے ایک اہم راوی ہیں۔ صحیحین میں بھی ان کی احادیث موجود ہیں۔

مذہب

امام عبداللہ بن مبارک مذہب محدثین یعنی اہل حدیث اور اہل سنت کے داعی اور علمبردار تھے فرق ضالہ کے سخت مخالف تھے عراق میں پیدا ہونے والی بدعات کا خوب رد کرتے تھے۔ کتاب و سنت کے مصفی منبع پر وارد ہوتے تھے۔ عقائد و احکام میں امام صاحب سے بہت اختلافات رکھتے تھے۔ امام ابن مبارک کا امام صاحب سے تعلق امام صاحب کی زندگی کے آخری چار سالوں میں رہا ہے اس دور میں انہوں نے امام صاحب کا مطالعہ کیا ان کے عقائد کو جانچا اور فقہی فتووں کو پرکھا تو نہ ہی انہوں نے امام صاحب سے عقائد میں کلی اتفاق کیا اور نہ ہی فقہی مسائل میں کلی موافقت کی۔ یہاں اختلاف رائے ممکن ہوا۔ اختلاف کیا۔

امام صاحب کے ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ امام عبداللہ بن مبارک انہیں مرجی سمجھتے تھے اور مرجی ہونا امام عبداللہ بن مبارک کے نزدیک ایک اعتقادی عیب تھا جس کی وجہ سے وہ امام صاحب سے روایت لینا چھوڑ گئے تھے۔ نیز یہ بھی امام صاحب کے ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ امام صاحب حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانا جائز سمجھتے تھے ائمہ محدثین کرام جن میں امام عبداللہ بن مبارک بھی شامل ہیں اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ ناجائز سمجھتے تھے۔ جس کی وضاحت مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک موقعہ پر امام ابن مبارک نے چند احادیث بیان فرمائیں۔ ایک آدمی کہنے لگا امام ابو حنیفہ تو ان احادیث کے مخالف ہیں۔ یہ سن کر امام عبداللہ غصے میں آگئے اور فرمانے لگے۔

اروی لک عن النبی واصحابہ وتاتینی برجل کان یری السیف علی امۃ محمد (کتاب السنۃ ص ۲۱۳ ج ۱)

میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بیان کر رہا ہوں اور تو میرے سامنے ایسے شخص کو پیش کرتا ہے جو امت محمدیہ پر تلوار کو جائز سمجھتا تھا۔

امام صاحب کے ترجمہ میں امام عبداللہ بن مبارک کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ امام ثوری کی مجلس کو اس دور کی تمام مجالس پر فوقیت دیتے تھے اور امام صاحب کی مجلس کا تذکرہ اچھے الفاظ سے نہیں کرتے تھے اس لئے کہ اس مجلس میں قیاس و آراء کے بل بوتے پر بحث ہوتی تھی اور حدیث رسول ﷺ کا تذکرہ نہ ہونے کی وجہ سے رسول ﷺ پر درود نہیں پڑھا جاتا تھا۔

فقہ حنفی کے بارے میں رائے

امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں میں چپکے چپکے امام صاحب کی مجلس میں جاتا تو میرے ساتھیوں کو جب علم ہوتا تو وہ مجھے اس پر ملامت کرتے۔

(کتاب السنہ ص ۲۱۲ ج ۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن مبارک جس حلقہ سے منسلک تھے اس حلقہ میں امام صاحب کی فقہ کو بنظر تحسین نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ امام صاحب کی مجلس میں آثار سے ہٹ کر محض قیاسی مسائل پر گفتگو ہوتی تھی اور یہ ایسی حقیقت تھی جس کا ادراک امام عبداللہ بن مبارک کو بھی ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ امام صاحب مسائل پر زیادہ کمربستہ رہتے تھے۔ جس مجلس میں مسائل کا سلجھاؤ اور حل قیاس و آراء کے طریقہ سے کیا جائے بھلا وہ امام عبداللہ بن مبارک محدث اور مبلغ سنت کو کیونکر اچھی لگے چنانچہ سفیان بن عبدالمالک کہتے ہیں کہ۔

میں نے امام عبداللہ بن مبارک سے سنا امام صاحب کے ایک مسئلہ کے بارہ میں وہ فرما رہے تھے کہ قطع الطریق احیانا احسن من ھذا

(کتاب السنہ ص ۲۱۴ ج ۱)

بسا اوقات ڈاکہ ڈال لینا اس سے بہتر ہے۔

یہ امام عبداللہ کا امام صاحب کی رائے اور اجتہاد کے بارہ میں تجزیہ تھا تو یہ

کسی ایک مسئلہ کے بارہ میں تھا مگر اس سے امام عبداللہ کا فقہ حنفی کے بارہ میں طبعی رجحان ضرور ظاہر ہو جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ احناف کے معروف مسائل میں بھی امام عبداللہ بن مبارک نے ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ دو ٹوک الفاظ اور واضح عمل سے ان کی مخالفت کی ہے۔

قرات خلف الامام

خصوصا قرات خلف الامام کے مسئلہ میں امام ابن مبارک نے حنفی منہج اور اصول سے موافقت نہیں کی وہ یہ کہ احناف کے نزدیک مقتدی کو کسی بھی حال میں امام کے پیچھے قرات نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر امام عبداللہ بن مبارک قرات کے صرف قائل ہی نہ تھے بلکہ فاعل بھی تھے جیسا کہ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

روی عن عبد اللہ بن المبارک انہ قال اقرا خلف الامام والناس یقرء ون الاقوم من الکوفیین واری ان من لم یقراء صلوتہ جائزہ

(ترمذی مع تحفہ الاحوذی ص ۲۵۶ ج ۱)

امام عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں اور تمام لوگ امام کے پیچھے قرات کرتے ہیں مگر کوفیوں میں سے ایک قوم قرات نہیں کرتی اور جو قرات نہ کرے میں اس کی نماز کو جائز سمجھتا ہوں۔

رفع یدین

احناف نماز میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ حالانکہ رفع یدین کی صحیح احایث کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ وہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک بھی رفع یدین کے قائل اور فاعل تھے۔ بلکہ بہت سی صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ ان کا رفع یدین کے موضوع پر اپنے استاذ گرامی امام ابو حنیفہ سے ایک مختصر مگر دلچسپ مناظرہ بھی ہوا تھا جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ۔

امام وکیع جو اس مزعومہ کمیٹی کے ایک اہم رکن خیال کئے جاتے ہیں اور امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ۔

میں نے ایک دن کوفہ کی مسجد میں نماز پڑھی۔ تو وہاں ابو حنیفہ کے ایک پہلو میں ابن مبارک بھی نماز پڑھ رہے تھے امام ابو حنیفہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے جب کہ ابن مبارک رفع یدین کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو۔

امام ابو حنیفہ (ابن مبارک سے) میں نے آپ کو نماز میں بڑی دفعہ رفع یدین کرتے دیکھا ہے کیا اڑنے کا ارادہ ہے۔ (طنزاً")

امام ابن مبارک (امام صاحب سے) جب آپ نے نماز شروع کی تھی تو رفع یدین کی تھی اس وقت کیا اڑنے کا ارادہ تھا۔

امام ابو حنیفہ (خاموشی)

امام وکیع (راوی واقعہ) جو ابن مبارک نے جواب دیا میں نے اس سے بہتر اور برموقع جواب اور کوئی نہیں دیکھا۔

امام بخاری نے بھی اس واقعہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ مجھے ڈر ہے کہ تو اڑ نہ جائے۔

امام ابن مبارک اگر آپ پہلی مرتبہ نہیں اڑے تو دوسری اور تیسری مرتبہ مجھے بھی اڑنے کا کوئی خطرہ نہیں۔

امام وکیع۔ امام ابن مبارک حاضر جواب تھے۔ ان کا جواب سن کر دوسرا فریق (امام صاحب) لاجواب ہو گئے۔

امام بخاری۔ اس طرز سے سوال وہی کرتے ہیں جو ان لوگوں سے مشابہت رکھتے ہیں جو ناکامی کے وقت سرکشی میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

(بیہقی ص ۸۲ ج ۲ و جزء رفع یدین ص ۲۴)

الغرض امام ابن مبارک نے احناف کے معروف فقہی مسائل میں بھی ان سے اتفاق نہیں کیا۔ جس سے ان کی طرف کسی ملحد کا منسوب کردہ شعر کی از خود

نفی ہو جاتی ہے کہ۔

فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفه

اگر یہ شعر امام عبداللہ بن مبارک کا ہوتا تو وہ کبھی امام صاحب کی عقائد و احکام میں مخالفت نہ کرتے۔

امام صاحب پر جرح

امام موصوف نے امام صاحب کو چھوڑ دیا تھا اور ان کا چھوڑنا بہت سی صحیح اسناد سے ثابت ہے جس کی تفصیل کتاب السنہ ج ۱، تاریخ بغداد ج ۱۳ اور دیگر رجال کی اہم کتابوں میں موجود ہے بلکہ وہ امام صاحب کے بارہ میں برملا فرمایا کرتے تھے کہ وہ حدیث کے اہل نہیں تھے۔ (کتاب السنہ ص ۲۷۶)

اور فرمایا ابو حنیفہ حدیث میں یتیم تھے۔ (قیام اللیل)

اور فرمایا۔ اضربوا علی حدیث ابی حنیفه ابو حنیفہ کی حدیث کو مارو یعنی چھوڑ دو۔

رکنیت

یہ متحقق امر ہے کہ امام ابن مبارک ۱۱۹ھ کو پیدا ہوئے ان کی ولادت کے ایک سال بعد کمیٹی کا قیام عمل میں آیا کیا ایک سال کا بچہ کمیٹی کی رکنیت کا اہل ہو سکتا ہے اور پھر جو عالم بن کر اس فقہ کو ڈاکہ سے بھی برا جانے کیا وہ اس کا رکن بن سکتا ہے؟ اور خصوصا جبکہ ان کی امام صاحب سے ملاقات بھی امام صاحب کے آخری چار سالوں میں سے ہو۔

(۱۹) امام عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الکوفی الحمانیؒ

ولادت ۱۲۰ھ وفات ۲۰۲ھ

صاحب انوار نے امام عبدالحمید حمانی کو بھی تدوین کمیٹی کا ممبر بتلایا ہے اور جلیل القدر محدث ہونا بھی بیان کیا ہے۔

علمی مقام

موصوف امام ابن عینیہ، ثوری، اعمش کے شاگرد اور بہت سے محدثین کے استاد ہیں۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ان کو تلمذ حاصل ہے۔ بحیثیت راوی حدیث مختلف فیہ ہیں۔ بعض کے نزدیک ضعیف ہیں مگر اکثر کے نزدیک ثقہ اور صدوق ہیں۔ تاہم اتنے ضعیف نہیں ہیں کہ وہ ناقابل اعتماد ہوں روایت میں قابل قبول ہیں۔ نسائی شریف کے علاوہ باقی صحاح کی پانچوں کتابوں میں ان سے صرف ایک ہی روایت ہے اور اس کی متابعت بھی دوسری اسناد سے ہوتی ہے حافظ ابن حجر ان کے بارے میں فرماتے ہیں

بخاری میں ان سے صرف ایک روایت ہے جو فضائل قرآن میں ہے کہ

لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد

اس حدیث کو امام مسلم نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے تو امام بخاری نے ان سے وہی روایت لی ہے جس کا اصل (دوسری صحیح سند کے ساتھ) موجود ہے۔ (ھدی الساری ص ۴۱۶)

مذہب

مرجی تھے۔

رکنیت

امام ذھبی کی تحقیق کے مطابق حمانی صاحب ۱۲۰ کو پیدا ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۵۴۰ ج ۱۰)

کوفہ سے بہت دور خوارزم میں ۱۲۰ھ کو پیدا ہونے والا بھلا اس علمی کمیٹی کا کیسے رکن بن سکتا ہے۔ جس کمیٹی کی ولادت اور اس کی ولادت کا ایک ہی سال ہو بھلا وہ جوان کب ہوا۔ علم کب سیکھا اور کمیٹی کے قواعد و ضوابط کے مطابق محدث اور فقیہ بن کر کب وہ رکن بنے جبکہ کمیٹی کی عمر بقول احناف پچیس سال سے زائد نہیں۔ نقلاً تو ممبر بننا ثابت نہیں کیا عقلاً ممکن ہے؟

(۲۰) علی بن ظبیان

وفات ۱۹۲ھ

صاحب انوار فرماتے ہیں۔

علی بن ظبیان، محدث، فقیہ، عالم، عارف صاحب ورع اور تقویٰ امام اعظم کے تلمیذ و شریک تدوین فقہ تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۹ ج ۱)

علمی مقام

یہ امام صاحب کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ موصوف نے امام صاحب سے فقہ حاصل کی ہے۔

جرح

ان میں ہو سکتا ہے مولف انوار کے بتائے ہوئے اوصاف موجود ہوں مگر ان کا محدث ہونا ثابت نہیں اس کے لئے صاحب انوار نے دھکا شاہی اور سینہ زوری سے کام لیا ہے۔ راقم کہتا ہے کہ ان کا محدث ہونا تو دور کی بات ہے یہ تو محدثین کے نزدیک، متروک، کذاب اور ناقابل احتجاج تھے۔ سنیئے ائمہ عظام ان کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں اور کیا کیا فیصلے دیتے ہیں۔

امام ابن معین فرماتے ہیں کذاب خبیث ہے اس کی حدیث میں کوئی بصیرت نہیں۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کوئی چیز نہیں۔

ابن نمیر فرماتے ہیں حدیث میں غلطی کرتا تھا۔

امام بخاری فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں متروک ہے۔

امام ابو زرعہ فرماتے ہیں بہت زیادہ واھی الحدیث ہے۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔
امام ساجی فرماتے ہیں منکر روایات بیان کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۳۴۲ ج ۷)
امام ابو الفتح فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔
امام عدی فرماتے ہیں اس کی حدیث میں ضعف واضح ہے۔
(الکامل ص ۱۸۳۴ ج ۵)

امام ابن حبان نے فیصلہ کن بیان جاری فرمایا ہے کہ۔

کان ممن یقلب الاسناد ولا یعلم ویخطی فی الاثار رولا یفهم فلما کثر ذلک فی روایته سقط الاحتجاج باخباره۔

یہ احادیث کو بدل دیتا تھا مگر اسے علم نہیں ہوتا تھا اور آثار (حدیث) میں غلطی کرتا تھا مگر اسے سمجھتا نہیں تھا جب یہ حالت اس کی زیادہ ہو گئی تو اس کی روایت سے دلیل پکڑنا باطل ہو گئی۔ (کتاب المجروحین ص ۱۰۵ ج ۲) امام ابن حبان نے جو فرمایا وہ بالکل صحیح فرمایا ہے اس نے تیمم میں ایک ضرب والی متفق علیہ حدیث کے معارض تیمم میں دو ضربیں والی حدیث نکال لی۔

رکنیت

ایسا راوی جو متروک بھی ہو اور کذاب بھی۔ علم حدیث میں بصیرت سے کورا بھی ہو اور ناقابل اعتماد بھی، جس کمیٹی کا ایک اہم رکن ہو گا درآنحالیکہ وہ اپنے حلقہ میں عارف، ورع اور متقی کے اوصاف سے متصف بھی گردانا جائے مگر رسول اللہ پر جھوٹ بولنے سے چوکتا نہ ہو تو ایسی کمیٹی کی اخلاقی، علمی، اعتمادی اور احتجاجی حالت قابل قبول ہو گی کیا ایسی کمیٹی کو اصولاً" اس لائق سمجھا جائے گا کہ اس کو علمی اور اخلاقی حلقوں میں کوئی پذیرائی حاصل ہو۔

(۲۱) امام علی بن مسہرؒ

ولادت ۱۱۹/۱۲۰ وفات ۱۸۹ھ

علامہ شبلی اور صاحب انوار کے بقول یہ بھی تدوین فقہ مجلس کے رکن تھے۔ شبلی فرماتے ہیں۔

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے ان کی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ امام سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ پر اطلاع حاصل کی ان ہی کے ذریعہ سے حاصل کی۔ موصل کے قاضی تھے ۱۸۹ میں انتقال کیا۔
(سیرت نعمان ص ۳۹۷)

صاحب انوار کہتے ہیں۔

امام علی بن مسہر مشہور صاحب درایت اور روایت جلیل القدر محدث و فقیہ اور امام صاحب کے ان اصحاب و تلامذہ میں ہیں جو حدیث و فقہ کے جامع اور شریک تدوین فقہ تھے۔ سفیان ثوری نے امام صاحب کا علم آپ سے ہی حاصل کیا تھا اور کتابیں نقل کروائی تھیں۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۵ ج ۱)

علمی مقام

امام علی کے تعارف میں ان دونوں حضرات نے ان کا فقیہ اور محدث ہونا ذکر کیا ہے وہ بالکل واقعہ کے موافق ہے وا قعتہً" امام علی بن مسہر بلند مقام کے حامل تھے۔ اکابر محدثین سے ان کو تلمذ حاصل ہے۔ جن میں امام یحیٰ بن سعید انصاری۔ ہشام بن عروہ۔ عبیداللہ بن عمرو۔ موسیٰ جہنی۔ اسماعیل بن ابی خالد۔ اعمش۔ عاصم الاحول اور سعید بن ابی عروبہ قابل ذکر ہیں۔

اور ان کے تلامذہ میں ابوبکر و عثمان' خالد بن مخلد' اسماعیل بن خلیل' بشر بن آدم' سوید بن سعید اور سہل بن عثمان وغیرہ ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

کتب صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور کچھ عرصہ قاضی بھی رہے حافظہ اتنا قوی تھا کہ آخری عمر میں نابینا ہونے کے باوجود قوت حافظہ سے احادیث بیان کرتے رہے۔

رکنیت

مگر ان کے ذریعے امام صاحب کا علم اور ان کی تصانیف امام ثوری تک پہنچی محل نظر ہے اسی طرح ان کا اس کمیٹی کا رکن ہونا بھی ناقابل فہم ہے۔ جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ۔

حافظ ذھبی فرماتے ہیں۔

ولد فی حدود العشرین ومائتہ (سیر اعلام النبلاء ۴۸۵ ج ۸)

موصوف علی بن مسہر ایک سو بیس کی حدود میں پیدا ہوئے۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ کمیٹی کی تشکیل اور موصوف کی ولادت کا زمانہ تقریبا ایک ہی ہے۔ وہ جوان کب ہوئے اور کمیٹی کی رکنیت کی شرائط کے اہل کتنی عمر میں ہوئے ہوں گے آخر بیس پچیس سال تو چاہئے تب تو وہ محدث، فقیہ اور اجتہاد کے درجہ کو پہنچے ہوں گے تو کیا اس وقت کمیٹی کی طبعی عمر جو پچیس سال ہے پوری نہ ہوئی ہو گی۔

امام ثوری کا موصوف کے ذریعے امام صاحب کا علم حاصل کرنا اور امام صاحب کی کتابیں لکھوانا یہ بھی ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ امام صاحب نے کون سی کتابیں لکھی تھیں پھر امام ثوری کو امام صاحب کی کتابوں کی ضرورت کیا تھی؟ امام ثوری امام صاحب کے بارہ میں جو عندیہ رکھتے تھے وہ سب اہل علم پر عیاں ہے۔ پھر امام علی بن مسہر کا حنفی ہونا کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں چہ جائیکہ وہ ان کی قائم کردہ کمیٹی کے رکن ہوتے۔ وہ تو ایک محدث تھے اور محدثین کے نظریات کے ہی قائل تھے۔

(۲۲) امام عمر بن میمون بلخیؒ

وفات ۱۷۱ھ

عمر بن میمون کے بارہ میں صاحب انوار فرماے ہیں۔

امام عمر بن میمون بلخیؒ، حنفی، محدث، صاحب علم و ورع تھے بغداد آکر امام اعظم کی خدمت میں رہے فقہ و حدیث ان سے حاصل کی۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے ترمذی کے شیوخ میں سے ہیں شریک مجلس تدوین تھے۔

(مقدمہ انوار ص ۱۴۹ ج ۱)

علمی مقام

عمر نے حدیث کا درس ابو سہل کثیر بن زیاد **عتکی**۔ سہیل بن ابی صالح۔ خالد بن میمون۔ ضحاک بن مزاحم اور مقاتل بن حیان سے لیا۔ ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے عبداللہ۔ یونس المئودب یحییٰ بن آدم اور یحییٰ بن بکیر وغیرہ ہیں۔ صاحب علم، حلم، فہم اور صلاح والے تھے حدیث میں امام ابن معین اور ابوداؤد نے ان کی توثیق کی ہے ترمذی میں ان کی روایت موجود ہے۔

رکنیت

صاحب انوار کے بقول امام عمر بغداد آکر امام صاحب کی خدمت میں رہے اس پر علامہ رئیس ندوی تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ تعمیر بغداد ۱۴۵ھ سے شروع ہو کر ۱۴۹ھ کے لگ بھگ مکمل ہوئی۔ امام صاحب اپنی عمر کے آخری پندرہ دن بغداد رہے اگر اس سے پہلے کسی دن عمر اور امام صاحب کے مابین بغداد میں چند لمحات کے لئے ملاقات ہوئی بھی ہو تو ۱۴۵ کے بعد ہی ہوئی ہو گی۔ جبکہ عمر وہاں شیخ الحدیث کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے اور اس سے پہلے کوفہ میں یا کہیں اور امام صاحب سے موصوف کی

ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔ (لمحات ص ۱۴۱ ج ۴)

امام صاحب کو علویوں کی حمایت کے الزام میں ۱۴۵ یا ۱۴۶ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا تھا اور آپ کی وفات بھی جیل خانہ میں ہوئی تو اب بتایئے جناب عمر موصوف نے امام صاحب سے کب اور کہاں حدیث و فقہ کی تحصیل کی اور وہ کس دور میں اس فرضی کمیٹی کے رکن بنے۔ صاحب انوار کی اپنی تحریر نے بھی اس افسانوی کہانی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے۔

(۲۳) امام فضل بن موسیٰ سینانی

ولادت ۱۱۵ھ وفات ۱۹۲ھ

مصنف انوار نے امام فضل کو بھی حنفی فقہ ساز پارلیمنٹ کا ممبر ٹھہرایا ہے اور ان کے بہت سے اوصاف اور ایک کرامت بھی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

امام اعظم کے تلمیذ خاص و شریک تدوین فقہ ہیں۔ امام اعظم کے مسانید میں امام اعظم سے بہ کثرت روایت کی ہے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۰۶ ج ۱)

علمی مقام

امام فضل بڑے محدث تھے ائمہ کرام نے ان کی توثیق کی ہے بڑے عقل مند تھے اور اپنے دور میں امام حدیث کے مقام پر فائز تھے۔ ائمہ کبار محدثین کرام کے شاگرد ہیں اور اس طرح ان سے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے جن میں امام اسحاق بن راھویہ' ابراہیم بن موسیٰ الرازی' معاذ بن اسد' جارود بن معاذ' یحییٰ بن اکثم اور محمود بن غیلان وغیرہ ہیں . صحاح ستہ میں ان کی روایت سے احادیث موجود ہیں۔

مذہب

مذہبا" اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہمی' معتزلی یا مرجی نہ تھے۔ امام وکیع نے ان کے بارہ میں فرمایا ہے کہ

اعرفه ثقة صاحب سنة (تہذیب ص ۲۸۶ ج ۸)

ثقہ اور صاحب سنت ہیں۔

امام صاحب کے بارہ میں عندیہ

امام فضل سنت کے شیدائی تھے ان کی مجلس امام صاحب سے بھی تھی مگر وہ

ان کے بارے میں حسن ظن نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی نظر میں امام صاحب حدیث نبویؐ کو استہزاء اور تمسخر سے ٹھکرا دیتے تھے جیسا کہ ان سے ۔سند حسن یا صحیح منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے۔

سمعت ابا حنیفة یقول من اصحابی من یبول قلتین یرد علی النبی اذ اکان الماء قلتین لم ینجس میں نے ابو حنیفہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میرے بعض شاگرد ایسے ہیں جو پیشاب کریں تو دو مٹکے پانی ہو جاتا ہے مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو ٹھکرایا جائے جس میں آپؐ نے فرمایا۔

جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ پلید نہیں ہوتا۔ (تاریخ بغداد ص ۴۰۵ ج ۱۳)

راقم کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس کی توثیق بہت سے ائمہ سے منقول ہے۔ حضرت شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلویؒ نے تیرہ ائمہ سے اس کی صحت بیان فرمائی ہے۔ (الحیاۃ بعد المماۃ)

رکنیت

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

یہ ۱۱۵ھ کو پیدا ہوئے۔ (تہذیب ص ۲۸۷ ج ۸)

مصنف انوار نے بھی امام فضل کا سن ولادت ۱۱۵ھ کو قرار دیا ہے۔

(مقدمہ انوار ص ۲۰۶ ج ۱)

کیا کوفہ سے بہت دور خراسان کے ایک دیہات میں پیدا ہونے والا ۱۲۰ھ کو کوفہ میں قائم ہونے والی کمیٹی کا خاص رکن بن سکتا ہے۔ پانچ سال کی عمر میں کسی بھی قابل ذکر کمیٹی میں رکنیت مل سکتی ہے؟

(۲۴) امام فضیل بن عیاضؒ

ولادت ۱۰۶ وفات ۱۸۷ھ

علمی مقام

امام فضیلؒ بن عیاض کو بھی مصنف انوار نے تدوین فقہ مجلس میں شامل بتایا ہے اور ان کے بہت سے مناقب بیان کئے ہیں اس میں تو شک نہیں کہ امام فضیل کا شمار امت کے ان چند مخصوص افراد میں سے ہے جو زہد ورع میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ صحاح ستہ کی صحیحین سمیت پانچ کتابوں میں ان سے احادیث مروی ہیں۔ ائمہ محدثین کرام نے ان کی توثیق بیان کی ہے اور ائمہ محدثین کرام میں ان کا بلند مقام ہے امام ابن مبارک جیسے محدث' فقیہ اور زاہد کو ان پر مکمل اعتماد تھا۔

مذہب

امام فضیل مسلک محدثین یعنی اہل سنت کے حامل تھے مرجیہ کے سخت مخالف تھے اور ان کے بارہ میں ظن سوء رکھتے تھے جس کی قدرے تفصیل امام صاحب کے ترجمہ میں گزر چکی ہے۔ تیز فرماتے ہیں۔

الایمان عند نا داخله و خارجه الا قرار باللسان والقبول بالقلب والعمل به (کتاب السنہ ص ۳۱۵ ج ۱)

ہمارے نزدیک ایمان کا داخل اور خارج (سے تعلق ہے) زبان سے اقرار' دل سے قبول اور عمل کا نام ایمان ہے۔

اور فرمایا **لا یصلح قول الا بعمل** (کتاب السنہ ص ۳۳۷ ج ۱)

قول بغیر عمل کے درست نہیں ہے۔

اس سے واضح ہے کہ وہ عقائد میں حنفیہ کے مخالف تھے۔

کنیت

امام فضیلؒ کا حنفی ہونا یا ان کی فرضی مجلس کا رکن ہونا کسی بھی معتبر دلیل سے ثابت نہیں ہے اور پھر ان کے بچپن کے حالات کچھ ایسے تھے کہ جو اس رکنیت کی سخت نفی کرتے ہیں۔ امام ذھبی کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۰۵ھ یا ۱۰۶ھ کی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں۔

فضیلؒ محرم یوم عاشورہ ۱۸۷ھ کو فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر اسی سال سے کچھ اوپر تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۶ ج ۱)

گویا کہ مجلس کی تشکیل کے وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال کے قریب تھی۔ جبکہ بچپن میں ان کا پڑھائی کی طرف بالکل رجحان نہیں تھا اور جب جوان ہوئے تو غلط مشاغل میں مبتلا ہو گئے' ایک تو کسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوئے جس کی تفصیل حافظ ابن حجر نے امام فضل بن موسیٰ کی زبانی ایسے بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

فضل چالاک آدمی تھا ابیورد اور سرخس کے درمیان ڈاکہ زنی کرتا تھا۔ اس کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ اس کا ایک لڑکی سے عشق تھا ایک دن معشوقہ سے وصال کے لئے اس کے گھر کی دیوار پر چڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص تلاوت قرآن میں مشغول ہے اور اس وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ الم یان للذ ین امنوا ان تخشع قلوبھم لذ کر اللہ تھے فضیل نے جب آیت کے یہ الفاظ سنے تو کہنے لگا اے اللہ! ہاں وقت آگیا ہے کہ دل تیرے خوف سے ٭کانپ جائے تو وہیں سے واپس آگیا۔ اور جنگل کے ویرانے میں رات گزارنے کے لئے ٹھہرائے تو وہاں چند مسافروں کا قافلہ رکا ہوا تھا۔ ان میں بعض کہہ رہے تھے کہ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے اور سفر کو جاری رکھنا چاہئے مگر دوسروں نے انکار کیا اور کہنے لگے صبح کو چلیں گے راستہ میں فضیلؒ ہوگا جو ڈاکے ڈالتا ہے۔ فضیلؒ کہتے ہیں پس یہیں سے میری سوچ نے کروٹ بدلی اور میں کہنے لگا میں تو گناہ کی کوشش کرتا ہوں اور لوگ مجھ سے خوف کھاتے ہیں بس میں آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا۔ آج اللہ تعالیٰ مجھے

یہاں اسی لئے لایا ہے کہ میں اس غلط کام سے باز آجاؤں۔ اے مولیٰ کریم میں تیری بارگاہ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور میں اپنی توبہ اسی میں سمجھتا ہوں کہ میں تیرے گھر کعبتہ اللہ کا مجاور بن جاؤں۔ (تہذیب ص ۲۹۵ ج ۸)

مولانا کرم الدین سلفیؒ فرماتے ہیں۔

اس قصہ کو علامہ شامی نے مختصرہ بلارد وقدح شامی ص ۴۴ج ا میں بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ۔

فضیلؒ بن عیاض ڈاکو تھا اسے ایک لڑکی سے عشق ہوا اور دیوار پھاند رہا تھا کہ کسی پڑھنے والے کو الم یان پڑھتے ہوئے سنا اور توبہ کر کے واپس ہوا اور مکہ مکرمہ پہنچا اور وہاں مجاور رہا یہاں تک کہ ۱۸۷ھ میں فوت ہوا۔

(ابو حنیفہ کی قانون ساز کمیٹی ص ۳۵)

اس واقعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امام فضیلؒ جوانی کے عالم میں کچھ اس قسم کے دھندوں میں گرفتار تھے کہ دینی علوم سیکھنے کا یہاں تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی لڑکی سے عشق اور پھر اس کے وصال کے لئے پوری طرح کوشش کرنا اور پھر ایک معروف ڈاکو کی حیثیت سے نام پیدا کرنا کہ رات کو قافلے بھی ان کے نام سے لرزاں ہوں اور ان کے خوف کی وجہ سے رات کا سفر جاری نہ رکھ سکیں واضح کرتا ہے کہ اس وقت جناب فضیل پچیس تیس سال کی عمر سے کسی طرح بھی کم نہ ہوں گے اور جب توبہ کا زمانہ آیا تو پھر اپنے علاقہ کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ کو مسکن بنایا اور بیت اللہ شریف کے مجاور بن کر رہ گئے۔ اور پھر ان پر جو عقائد کا اثر ہوا وہ کوفی اور اہل الرائی کا نہیں تھا بلکہ محدثین اہل سنت و جماعت کا تھا مکہ مکرمہ میں چونکہ محدثین کرام ہی تھے اور جو فقہاء تھے وہ بھی محدث تھے ان پر رائے اور قیاس کا غلبہ کیا شائبہ تک بھی نہیں تھا اور وہی اثر امام فضیلؒ پر تھا کہ یہ مرجیہ کے سخت مخالف تھے کتاب و سنت پر عمل کرنے والے اور بدعات سے سخت متنفر تھے۔

حسن بن عثمان سے مروی ہے کہ۔

فضیلؒ بن عیاض امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب پر تجریح اور تنقید کرتے تھے۔ (اللمحات ص ۴۲۶ ج ۴)

کیا تب بھی امام فضیلؒ اس کمیٹی کے رکن تھے؟

(۲۵) امام قاسم بن معنؒ

وفات ۱۷۵ھ

علامہ شبلی نے سیرت نعمان ص ۳۹۵، صارم صاحب نے تاریخ الفقہ ص ۶۹، اور صاحب انوار نے مقدمہ انوار ص ۱۷۰ میں امام قاسم بن معن کو بھی اس فقہ سازی کی مجلس میں شریک بتلایا ہے۔

علمی مقام

موصوف حضرت عبداللہ بن مسعود کے پڑپوتے تھے۔ فقیہ، ثقہ اور محدث ہونے کے علاوہ بہت سے خصائل، فضائل اور اوصاف حسنہ سے متصف تھے علم و فضل کی وجہ سے لوگ انہیں شعبی زمان کہتے تھے۔

مذہب

اتنے اوصاف کے باوجود مرجیئت کی طرف ہلکا سا رجحان رکھتے تھے امام قتیبہ فرماتے ہیں۔

یذ هب الی شئی من الارجاء (تہذیب ص ۳۳۹ ج ۸)

ان کا مرجیہ کی طرف کچھ جھکاؤ تھا۔

رکنیت

موصوف کی امام صاحب سے مصاحبت ضرور تھی مگر کسی معتبر خبر سے معلوم نہیں کہ وہ امام صاحب سے فقہ و عقائد میں کامل متفق تھے زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ ارجاء کے معاملہ میں ان کا رجحان مرجیہ کی طرف تھا۔

پھر فقہ حنفیہ کی کتب میں ان کے فتاوے موجود نہیں ہیں کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ بھی فقہ حنفی کے پاسبانوں میں سے تھے۔

اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ جب یہ کمیٹی وجود میں آئی تھی تو اس وقت امام قاسم کتنی عمر کے تھے آیا وہ اس وقت تک پیدا بھی ہوئے تھے یا کہ نہیں۔

لہٰذا صرف تخمینا ان کو اس مجلس کا رکن قرار دینا دلائل کی روشنی میں کچھ وزن نہیں رکھتا۔

(۲۶) امام مالک بن مغولؒ

وفات ۱۵۹ھ

امام مالک بن مغولؒ کے بارہ میں انوار الباری کے مولف فرماتے ہیں۔
امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ حنفی میں سے اور ان حضرات اکابر میں سے تھے جن کو امام صاحب نے خطاب فرما کر کہا تھا کہ تم لوگ میرے قلب کا سرور اور میرے غم کو مٹانے والے ہو۔ (مقدمہ انوار ص ۱۶۹ ج ۱)

علمی مقام

موصوف ابواسحاق' سبعی' عون' سماک بن حرب' نافع مولی ابن عمر' زبیر بن عدی' محمد بن سوقہ اور عبدالرحمٰن بن اسود نخعی سے روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے امام ثوری' شعبہ' مسعر' ابن عیینیہ' اسماعیل' یحیٰی بن سعید القطان' وکیع اور امام ابن مبارک وغیرہ ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین۔ زاہد اور عبادت گزار تھے کوفہ کے بہترین افراد میں سے تھے حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ان کی توثیق میں کسی ایک کو اختلاف نہیں ہے۔

مذہب

امام موصوف کا طریق اہل الرائی کا نہیں تھا بلکہ اہل سنت یعنی محدثین کرام کا تھا۔ جیسا کہ علامہ رئیس ندوی فرماتے ہیں امام صاحب کو ان کے عام معاصر اور غیر معاصر الرائی والارجاء یعنی مرجی المذہب اور مذہب رائے اور قیاس کا پیروکار کہا کرتے تھے اس کے برعکس اہل علم امام مالک بن مغول کو صاحب سنت و جماعت کہتے تھے۔ (تاریخ دمشق ابی زرعہ ص ۵۷۸ ج ۱) و لمحات ص ۱۰ ج ۴)
نیز امام عبدالرحمٰن بن مہدی' سفیان ثوری اور ابن عیینہ امام مالک بن مغول کی مدح کیا کرتے تھے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف حنفی مذہب کے پیرو

نہیں تھے کیونکہ یہ حضرات امام ابو حنیفہ اور مذہب ابی حنیفہ سے ناراض تھے۔
(لمحات ص ۱۰ ج ۴)

رکنیت

علامہ شبلی اور صارم صاحبان نے موصوف کا اس کمیٹی کے ارکان میں ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی بسند صحیح معلوم ہے کہ موصوف امام صاحب کے حلقہ اور اصحاب سے تعلق رکھتے تھے تہذیب ص ۲۲ ج ۱۰ میں ان کے اساتذہ کے اسماء بتفصیل موجود ہیں مگر ان میں امام صاحب کا کہیں نام گرامی نہیں ہے' ہاں بلکہ یہ ضرور ہے کہ امام مالک بن مغول کے تلامذہ اور اصحاب میں بعض ایسے نام بھی ہیں جو امام صاحب کے استاذ تھے جن میں امام ابو اسحاق سبعی جو موصوف کے استاذ بھی ہیں اور ان سے روایت بھی لیتے ہیں اور سبعی امام صاحب کے حدیث میں استاذ سمجھے جاتے ہیں۔

نیز ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار نے امام مالک بن مغول کا تذکرہ ان اصحاب علم میں کیا ہے جو امام صاحب کے مخالف اور انکا رد کیا کرتے تھے۔
(تاریخ بغداد ص ۳۷۱ ج ۱۳)

جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام موصوف امام صاحب کے ہم خیال نہ تھے بلکہ مخالف تھے لہذا ان کو کمیٹی کا رکن قرار دینا حقائق سے مطابقت نہیں کھاتا۔

صاحب انوار کا یہ فرمانا کہ امام صاحب انہیں اپنا دل کا سرور اور غم مٹانے والے کہا کرتے تھے مذکورہ تصریح کی روشنی میں محض ایک افسانہ ہے وہ تو امام صاحب کے مخالف اور جماعت محدثین سے منسلک تھے بھلا وہ کیسے ان کے دل کا سرور اور غم کو مٹانے والے ہو سکتے تھے۔

(۲۷) امام محمد بن حسن شیبانیؒ

ولادت ۱۳۵ھ　　　وفات ۱۸۹ھ

علامہ شبلی، صارم اور صاحب انوار نے امام محمد کو بھی اس کمیٹی کا ایک اہم رکن قرار دیا ہے اور تینوں حضرات نے ان کے بہت سے فضائل بیان کئے ہیں۔

علمی مقام

علامہ شبلی فرماتے ہیں۔ یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا ان کے والد وطن چھوڑ کو واسط چلے آئے اور امام محمد ۱۳۵ میں یہیں پیدا ہوئے۔ سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل کی اور بڑے بڑے محدثین و فقہاء کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام، امام سفیان ثوری، مالک بن دینار، امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں ہیں کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے۔ (سیرت نعمان ص ۳۸۶)

صارم صاحب فرماتے ہیں۔ تین برس امام مالک سے حدیث حاصل کی۔ خلیفہ ہارون نے ان کو قاضی مقرر کیا۔ (تاریخ الفقہ ص ۱۱۹)

راقم کہتا ہے کہ فقہ حنفی کی ترویج و تشہیر میں موصوف نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حتیٰ کہ یہ فقہ حنفیہ کے اساطین ثلاثہ میں ایک ستون شمار کئے گئے اور مذہب میں ان کے بہت سے فتوے معمول بہا قرار پائے۔

طبعی رجحان

چونکہ موصوف مکتب ابوحنیفہ کے تعلیم یافتہ تھے مگر انہوں نے بعض نامور محدثین سے بھی اکتساب کیا تھا مگر ان پر امام صاحب کے مکتب کا رنگ غالب تھا حدیث کے بجائے قیاس و آراء میں زیادہ انہماک رکھتے تھے۔ امام جرح و تعدیل ابن سعد فرماتے ہیں۔

جالس ابا حنیفه وسمع منه و نظر فی الرای فغلب علیه و عرف به وتقدم فیه۔ (مقدمہ تعلیق الممجد ص ۲۹)

انہوں نے ابوحنیفہ سے مجلس کی اور ان سے علم کو سنا۔ رائے میں غوروفکر کرتے تھے اور رائے ان پر غالب تھی حتیٰ کہ یہی رائے ان کی شناخت بن گئی۔

امام مزنی جو امام شافعی کے معروف شاگرد تھے انہوں نے امام محمد کے بارہ میں فرمایا۔

یہ فقہی تفریعات میں تمام ائمہ احناف سے بڑھ کر تھے۔

(مقدمہ تعلیق الممجد ص ۲۹)

امام جرح و تعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں۔

میں ایک دن امام محمد کے پاس گیا تو ان کے پاس ایک کتاب تھی۔ میں نے اس کتاب کو دیکھا تو اس میں انہوں نے ایک حدیث میں غلطی کی تھی۔ اور اس غلطی پر انہوں نے (مسئلہ کی تفریع) میں قیاس کیا تھا۔ میں نے ان کو یہ غلطی معلوم کرائی تو انہوں نے رجوع کر لیا اور اس ورق کو قینچی سے کاٹ دیا۔

(عقیلی ص ۵۴ ج ۴ و لسان ص ۱۲۲ ج ۵)

حدیث کا رد

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

ابو یوسف مضعفا فی الحدیث واما محمد بن الحسن وشیخه فکانا مخالفین للاثر۔ (لسان ص ۱۲۲ ج ۵)

ابو یوسف حدیث میں ضعیف تھے محمد اور ان کے شیخ اثر (حدیث) کی مخالفت کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل نے امام محمد کے بارہ میں جو تجزیہ فرمایا وہ حقیقت سے خالی نہیں ہے اس کی شاہد عدل خود امام محمد کی کتابیں ہیں آپ موطا محمد کو ہی لیجئے انہوں

نے موطا امام مالک کی ان مرویات کے ساتھ فقہ حنفیہ کی تائید میں روایات کو بھی شامل کیا ہے یہاں انہیں موطا کی احادیث فقہ حنفی کے مخالف نظر آئی ہیں۔ اور پھر بسا اوقات امام مالک سے سلسلہ الذہب (سونے کی کڑی) سے مروی روایات کو محض قول واقوال یا پھر ناقابل اعتماد اور ناقابل احتجاج روایات سے رد کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

مذہب

امام محمد بھی اپنے شیخ اور استاذ کے مذہب پر تھے وہ بھی ایمان میں اعمال کو شامل نہیں سمجھتے تھے اور اس طرح وہ ایمان میں کمی و بیشی کے بھی قائل نہ تھے۔ یعنی ان کا مذہب بھی مرجیہ کا سا تھا۔ قاضی شریک جن کا تذکرہ پہلے اوراق میں گزر چکا ہے وہ مرجیہ کی شہادت کو قبول نہیں کرتے تھے ان کی عدالت میں ایک دن امام محمد بطور گواہ پیش ہوئے۔ تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کسی نے قاضی صاحب سے کہا یہ تو محمد بن حسن ہیں۔ آپ ان کی شہادت قبول نہیں کر رہے تو قاضی شریک فرمانے لگے۔

انا اجیز شهادة من یقول الصلوٰة لیست من الایمان۔

(الکامل ص ۲۱۸۳ لسان ص ۱۲۲ ج ٦)

میں اس شخص کی شہادت قبول کر لوں جو یہ کہتا ہے کہ نماز ایمان سے نہیں۔

ان کے مرجی ہونے کی تصریح ائمہ محدثین کرام نے بھی کی ہے۔

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

کان مرجیا وداعیا (کتاب المجروحین ص ۲۷٦ ج ۲)

یہ مرجی تھے اور اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔

امام ساجی فرماتے ہیں۔ محمد مرجی تھے۔ (لسان ص ۱۲۲ ج ۵)

نظریہ تقلید

امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی طرح اپنے استاذ سے بہت سے مواقع پر اختلافات کئے ہیں۔ ان کے اختلافات کی مقدار امام صاحب سے دو تہائی سے کم نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ کی تمام معروف کتابیں اس کی شاہد عادل ہیں۔ تقریبا ہر مسئلہ کے فروع میں ان کا اپنے استاذ سے اختلاف موجود ہے۔ بسا اوقات امام صاحب کے فتوے کو چھوڑ کر احناف نے ان کے فتووں پر عمل کیا ہے۔ جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔

الغرض استاذ اور شاگرد کے مابین اتنا وسیع اختلاف اس بات کی بین شہادت ہے کہ امام محمد تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ان سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

لو جاز التقلید کان من مضیٰ من قبل ابی حنیفۃ مثل الحسن البصری و ابراھیم النخعی احری ان یقلدو۔ (المبسوط ص ۲۸ ج ۱۲)

اگر کسی کی تقلید جائز ہوتی تو جو لوگ ابو حنیفہ سے پہلے گزر چکے ہیں جیسا کہ امام حسن بصری، ابراہیم نخعی ہیں وہ زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔ معلوم ہوا کہ امام محمد صرف اپنے استاذ کی تقلید کا ہی انکار نہیں کرتے تھے بلکہ امام صاحب سے پہلے جو اکابر امت گزر چکے ہیں ان کی تقلید کو بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔

چند دلچسپ مناظرے

امام محمد فقہ اہل لرائی کے پرزور حامی تھے اور ہمہ وقت اس فقہ کے دفاع میں کوشاں رہتے تھے اس کے لئے انہوں نے مختلف میدان تیار کئے تھے ایک تو ان کا تصنیفی میدان تھا جس میں وہ عراقیوں کا دفاع کرتے اور محدثین کا رد کرتے۔ یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے استاذ اور ان کی فقہ کے دفاع میں اہل مدینہ کا رد لکھا۔ اس طرح موصوف مناظرانہ طبیعت کے بھی حامل تھے اور اس میدان کو

بھی گرمائے رکھتے تھے۔ خصوصا امام شافعی رحمہ اللہ سے تو ان کے مناظرے بہت مشہور ہیں۔ جن میں ہم صرف چند ایک کا ظرافت طبع کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

(۱) کون بڑا۔ امام مالکؒ یا امام ابو حنیفہؒ

صحیح اسناد سے مروی ہے کہ امام مالک بڑے عالم ہیں یا ابو حنیفہ کے موضوع پر امام شافعی سے امام محمد کی گفتگو ہوئی۔

امام محمد — امام شافعی سے۔ تمہارے صاحب (امام مالک) بڑے عالم ہیں یا ہمارے صاحب (ابو حنیفہ)

امام شافعی — بات انصاف سے ہو۔

امام محمد — ہاں بالکل انصاف سے۔

امام شافعی — میں اللہ کا واسطہ دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں امام مالک قرآن کے بڑے عالم تھے یا امام ابو حنیفہ۔

امام محمد — امام مالک قرآن کے بڑے عالم تھے۔

امام شافعی — امام مالک سنت کے بڑے عالم تھے یا امام ابو حنیفہ۔

امام محمد — امام مالک سنت کے بڑے عالم تھے۔

امام شافعی — اقوال صحابہ کے بڑے عالم کون تھے۔

امام محمد — امام مالک ہی تھے۔

امام شافعی — اب صرف قیاس باقی ہے صحیح قیاس بھی تو ان اصولوں پر ہوتا ہے۔

امام محمد — خاموشی۔

(کتاب الجرح والتعدیل ص ۲ ج ۱)
و مناقب الشافعی ص ۲۷۵

(۲) نجس پانی کی طہارت

امام ربیع جو امام شافعی کے معروف شاگرد ہیں بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی اور امام محمد کے درمیان پانی کی طہارت کے بارہ میں مناظرہ ہوا۔

امام شافعی۔ (امام محمد سے) آپ کے خیال میں اگر چوہا کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کنوئیں سے اگر بیس ڈول پانی نکال لیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔ آپ نے کبھی ایسی چیز دیکھی ہے جو تمام نجس اور پلید ہو جائے تو اس کا بعض حصہ نکال لینے سے تمام کی تمام نجاست اور پلیدی ختم ہو جائے۔

امام محمد (امام شافعی سے) ہم نے اس مسئلہ میں ایک اثر پر عمل کیا ہے۔

امام شافعی۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے اس اثر کے سبب ایک یقینی قیاس چھوڑا ہے اور ساتھ ہی تم نے مصراۃ (تھنوں میں دو تین دن کا دودھ جمع رہنے دینا تاکہ قیمت زیادہ پڑے) کے مسئلہ میں صریح نص محض ضعیف قیاس کے سبب ترک کیا ہے اور یہ بہت عجیب بات ہے کہ ایک اثر کے سبب یقینی قیاس کو ترک کیا گیا ہے جس اثر کے ضعیف ہونے پر تمام (محدثین) کا اجماع ہے۔ اور ضعیف قیاس کے سبب تم نے صریح نص کو چھوڑا ہے۔ جس کے صحیح ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔

مزید فرمایا۔ تمہارا خیال ہے کہ اگر وضو کرنے والا اپنے ہاتھ کو کنوئیں میں داخل کر دے تو کنویں سمیت اس کا تمام پانی نجس اور پلید ہو گا۔ اور وہ اس وقت تک پاک نہیں ہو گا جب تک تمام پانی نہ نکالا جائے۔ اور اگر اس میں مردہ نجاست گر جائے تو صرف بیس تیس ڈول نکالنے سے (باقی پانی اور کنواں پاک ہو جائے گا۔) کیا عقل اس کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ ہاتھ جس میں نجاست نہیں لگی اگر وہ پانی میں داخل کیا جائے تو اس سے نجاست زیادہ واقع ہو گی۔ بنسبت اس پلیدی کے جو پانی میں خود گر جائے۔ (مناقب الشافعی ص ۲۷۶)

(۳) نماز میں دعا

امام شافعی — تمہارے خیال کے مطابق نماز میں وہ دعا کرنی چاہیئے جو قرآن کریم میں مجمل یا مفصل طور پر مذکور ہے ہم دیکھتے ہیں قرآن کریم میں دنیا اور آخرت کی تمام خیرات مذکور ہیں پھر آپ کے اس قول کا کیا مطلب کہ دعا صرف قرآن ہی سے کرنی چاہیئے۔

اور فرمایا اگر کوئی نماز میں سواری کے لئے اونٹ یا کھانے کے لئے پھل اور نکاح کے لئے بیوی کی طلب کی دعا کرے تو یہ چیزیں بھی قرآن میں مذکور ہیں۔ پھر تمہارے قول کا کیا مطلب کہ دعا صرف قرآنی الفاظ سے ہی مانگنی چاہیئے۔

امام محمد — خاموش

امام رازی کا تبصرہ — ایک طرف تو احناف کا یہ عندیہ ہے کہ نماز میں قرآن سے باہر کی دعا نہیں کرنی چاہیئے۔ دوسری طرف وہ نماز میں فاتحہ کی قرات فارسی زبان میں بھی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں جس میں واضح تناقض ہے۔ (مناقب الشافعی ص ۲۷۶)

(۴) مسائل غصب

امام محمد — ایک آدمی کسی کی زمین پر قبضہ کر کے وہاں ایک ہزار دینار خرچ کر کے دیواریں بنا دیتا ہے پھر زمین کا مالک آجاتا ہے اور وہ دو معتبر گواہوں سے اس زمین پر اپنی ملکیت ثابت کر دیتا ہے تو آپ اس کے بارہ میں کیا فیصلہ دیں گے؟

امام شافعی — اولاً زمین کے مالک کو اس زمین کی قیمت دے کر راضی کرنے کی کوشش کریں گے بصورت دیگر دیواروں کو

زمین بوس کر کے خالی زمین مالک کے حوالہ کر دیں گے۔

امام محمد: اس بارہ میں بھی بتایئے کہ ایک آدمی کسی کی لکڑی غصب کر کے اس کو اپنی کشتی میں جڑ لیتا ہے اور پھر کشتی کو سمندر میں اتار دیتا ہے جب کشتی سمندر کی لہروں اور موجوں میں پہنچ جاتی ہے تو اس لکڑی کا مالک بھی جو غصب کر کے کشتی میں جڑی گئی ہے دو گواہوں کو لے کر آپہنچتا ہے اور انہیں اپنی ملکیت ثابت کر دیتا ہے کیا اس لکڑی کو آپ کشتی سے اکھاڑ کر حوالہ مالک کر دیں گے؟

امام شافعی: نہیں۔

امام محمد: اللہ اکبر آپ نے پہلا قول چھوڑ دیا۔

پھر نیا سوال ہوتا ہے۔

امام محمد: ایک آدمی کسی اور کا ابریشم کا دھاگہ غصب کر لیتا ہے' اور اپنا پیٹ پھاڑ کر اس غصب شدہ دھاگہ سے سی لیتا ہے (عمدہ فقاہت کا نمونہ) تو بعد ازاں دھاگہ کا مالک دو عادل گواہوں سے اپنی ملکیت ثابت کر دیتا ہے۔ کیا آپ وہ دھاگہ اس کے سیئے ہوئے پیٹ سے ادھیڑ کر اس کو واپس کر دیں گے۔

امام شافعی: نہیں۔

امام محمد: اللہ اکبر آپ پھر اپنے قول سے منحرف ہو گئے۔

امام شافعی: ٹھہریئے فیصلہ دینے میں جلدی مت کیجئے۔

بالفرض یہ لکڑی اس کی ذاتی ہے اور وہ کشتی میں جڑی ہوئی ہے اور کشتی سمندر کی موجوں میں ہے تو کیا اس وقت اس لکڑی کا اکھاڑنا اس کے لئے جائز ہے یا حرام؟

امام محمد — حرام۔ (اس لئے کہ لکڑی اکھاڑنے سے کشتی غرقاب ہو گی اور یہ عمداً خودکشی ہو گی لہٰذا حرام ہے۔)

امام شافعی — اگر غاصب نے دھاگہ سے اپنا پیٹ سی لیا ہے تو کیا اس کے لئے اس دھاگہ کا اپنے پیٹ سے ادھیڑ کر مالک کو واپس کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں بھی خودکشی ہے۔

امام محمد — حرام ہے۔

امام شافعی — اگر زمین کا مالک دیوار گرانی چاہئے تو اس کے لئے جائز ہے یا حرام؟

امام محمد — جائز ہے۔

امام شافعی — اللہ آپ پر رحم کرے۔ آپ حرام پر حلال کو کیسے قیاس کرتے ہیں؟

امام محمد — کشتی والے کا کیا بنے گا؟

امام شافعی — کشتی والے کو کشتی ساحل کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا جب کشتی ساحل پر پہنچ جائے گی تو غصب شدہ لکڑی کو اکھاڑ کر حوالہ مالک کر دیا جائے گا۔

امام شافعی — (ایک نیا پوائنٹ) آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے کہ جو اشراف سے ہو وہ کسی نہایت پست زنجی کی لونڈی غصب کر لیتا ہے پھر اس لونڈی کے بطن سے اس غاصب کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں کوئی قاضی ہے کوئی سادات ہے کوئی خطیب ہے اور کوئی اشراف سے ہے۔ پھر وہی زنجی جس کی یہ لونڈی تھی دو عادل گواہوں کو لے آتا ہے اور اس لونڈی پر اپنی ملکیت ثابت کر دیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں آپ کیا فیصلہ دیں گے؟

امام محمد — یہی فیصلہ ہو گا کہ یہ بچے اس زنجی کے غلام ہیں (کیونکہ اس کی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔)

امام شافعی — نقصان کے لحاظ سے یہ مسئلہ زیادہ تکلیف رساں ہے یا دیوار گرانے کا۔ جب آپ یہ فیصلہ دیں گے تو لونڈی تو اس کے آقا کو واپس ہوئی اور یہ قاضی، سادات، خطباء اور اشراف بھی اس کے غلام ٹھہریں گے؟

امام محمد — مکمل خاموشی۔ (مناقب الشافعی ص ۲۸۶)

نماز خوف

اسی طرح کا ایک مناظرہ جو نماز خوف کے موضوع پر ہوا امام محمدؒ کا موقف تھا کہ یہ نماز منسوخ ہو چکی ہے جبکہ امام شافعی منسوخیت کے دعوی کو غلط قرار دیتے تھے۔

امام محمد — نماز خوف منسوخ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلٰوۃ فلتقم طائفۃ منھم معک۔

اے رسول! جب آپ ان میں موجود ہوں تو ان کے لئے نماز قائم کریں (جماعت کرائیں) تو ایک جماعت ان میں سے آپ کے ساتھ ہو۔

جب رسول اللہ ﷺ ان میں موجود نہ رہے تو نماز ساقط ہو گئی۔

امام شافعی — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالھم صد قۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم**

جب رسول اللہ ان میں موجود نہ رہے تو پھر ان پر (بقول تمہارے) زکوۃ بھی واجب نہ رہی۔ (مناقب الشافعی)

یہ چند دلچسپ اور معنی خیز مضامین پر امام محمد اور امام شافعی کی گفتگو کے مناظر تھے جن سے امام محمد کی فقاہت اور امام شافعی کی حاضر جوابی اور اہل الرائی کے مذہب کے بارہ میں وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے اور ان مناظروں سے اس وقت اہل الرائی کی دلچسپی کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ رائے اور قیاس کو کس انداز سے پیش کرتے تھے نیز اس سے اس پروپیگنڈہ کی صورت حال سامنے آجاتی ہے کہ امام شافعی کی فقہ دانی امام محمد کی مرہون منت تھی۔ اور یہ بھی صورت منقح ہوتی ہے کہ امام شافعی کا میلان او رجحان اہل الرائی کی طرف نہیں تھا بلکہ حجازیوں کی طرف تھا اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نقلی اور عقلی گفتگو میں اہل حجاز اہل عراق پر غالب رہتے تھے۔

جرح

امام محمد بحیثیت راوی حدیث محدثین کے نزدیک سخت مجروح بلکہ بعض کے نزدیک کذاب ہیں ہمارے علم میں نہیں کہ امام محمد کی کسی ایک محدث نے غیر مشروط توثیق کی ہو۔ اگر کسی نے ان کے بارہ میں کوئی ہلکا سا تعدیل کا درجہ بیان بھی کیا ہے تو ان پر جرح مفسر' غیر مبہم اس قدر سخت ہے کہ ایسی تعدیل کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔

(۱) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں لا اروی عنه شیئا میں ان سے کچھ روایت نہیں کروں گا۔ (الکامل ص ۲۱۸۳ ج ۶)

(اس لئے) کہ یہ اور ان کے استاذ اثر کی مخالفت کرتے ہیں۔

(لسان ص ۱۲۲ ج۵)

(۲) قاضی ابو یوسف جو امام محمد کے استاذ بھی ہیں۔ فرماتے ہیں یہ مجھ پر

جھوٹ باندھتا ہے۔ (الکامل ص ۲۱۸۳ ج ۵ و لسان ص ۱۲۲ ج ۵)

(۳) امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں محمد بن حسن کذاب ہے۔

(الکامل ص ۲۱۸۳ ج ج ۵ و لسان ص ۱۲۲ ج ۵)

(۴) امام نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (کتاب الضعفاء ص ۳۱۰)

(۵) امام جوزجانی فرماتے ہیں اللہ اس سے فارغ ہے۔

(احوال الرجال ص ۷۷)

(۶) امام فضیل بن عیاض فرماتے ہیں۔ نہ ثقہ ہے اور نہ مامون۔

(کتاب المجروحین ص ۲۷۶ ج ۲)

(۷) امام ابن عدی فرماتے ہیں۔

امام محمد کا شمار محدثین میں سے ہے اور نہ ان لوگوں میں جن کی روایت قابل اعتناء ہو کہ میں ان کی کوئی بطور مثال روایت ذکر کروں۔ انہوں نے امام مالک سے موطا سنا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ میں نے تم سے زیادہ بری ثناء نہیں دیکھی جو تم اپنے اصحاب کے بارہ میں کرتے ہو۔ جب میں امام مالک سے روایت بیان کرتا ہوں تو تم (زیادہ تعداد میں جمع ہونے کی وجہ سے) ساری جگہ پر کر دیتے ہو۔ اور جب میں تم سے مالک کے علاوہ ابو حنیفہ یا ان کے اصحاب سے بیان کرتا ہوں تو تم بادل نخواستہ آتے ہو۔ لہذا ان کی حدیث سے مشغول ہونا محض ایک شغل ہے اس کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ محدث نہیں کہ ان کی بات کو (وزن دے کر) انکار کیا جائے۔ محدثین نے ان کے بارہ میں جو کلام کیا ہے ہم نے ذکر کر دیا ہے ویسے بھی محدثین ان جیسوں کی روایت سے بالکل مستغنی اور بے نیاز ہیں۔ (الکامل ص ۲۱۸۴ ج ۶)

(۸) امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

یہ امام ابو حنیفہ پر جھوٹ باندھا کرتے تھے یہ مرجی المذہب اور اس کی دعوت دیتے تھے یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے استاذ کی حمایت میں اہل مدینہ کا ۔

کیا۔ سمجھدار تھے لیکن حدیث میں کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ ثقہ راویوں سے روایت کرتے اور وہم کا شکار ہو جاتے پس جب ان کے اوھام زیادہ ہو گئے اور غلطیاں کثرت سے ہوئیں تو یہ ترک کے مستحق ہو گئے۔

(کتاب المجروحین ص ۲۷۶ ج ۲)

رکنیت

امام محمد ۱۳۵ھ کو پیدا ہوئے۔ جبکہ اس مزعومہ فقہ ساز کمیٹی کو معرض وجود میں آئے تقریباً پندرہ برس ہو چکے تھے۔ جو کمیٹی کی کل عمر کا دو تہائی حصہ ہے جب امام محمد پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئے تو امام صاحب گرفتار ہو چکے تھے اور جب کمیٹی اپنے انجام کو پہنچی تو امام محمد کی عمر دس برس سے زائد نہ تھی اس لئے ان کو امام صاحب کی صحبت کا بہت کم زمانہ میسر آیا اور وہ زمانہ بھی ان کی کم سنی اور ناپختگی کا تھا بقول علامہ شبلی یہ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے۔ (سیرت نعمان ص ۳۸۶)

امام صاحب کی گرفتاری کے وقت امام محمد کی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب سے امام محمد کی مصاحبت سات آٹھ سال کی عمر میں تھی۔ بعض حضرات نے امام صاحب سے تلمذ کے وقت امام محمد کی عمر تیرہ سال بیان کی ہے وہ ایسے کہ امام محمد امام صاحب سے جیل میں جا کر پڑھا کرتے تھے مگر یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ صحیح بات یہی ہے کہ امام صاحب سے امام محمد کا تعلق بہت قلیل عرصے پر محیط ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

امام محمد نے امام ابوحنیفہ کی صرف چند ایام شاگردی کی ہے۔

(کتاب المجروحین ص ۲۷۵ ج ۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی علمی، تحقیقی اور ادق مسائل پر بحث و تمحیص کرنے والی کمیٹی کے ایک اہم رکن بلکہ اس کمیٹی کے دست و بازو صرف

چند ایام کی شاگردی سے اور وہ بھی عمر کے آٹھویں نویں سال میں اس کے رکن قرار پا سکتے ہیں۔ نقلا تو یہ سارا افسانہ ہے کیا عقل اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک نو سالہ بچہ ایسی رفیع الشان علمی کمیٹی کا رکن بن کر ادق اور ناقابل فہم اور لاینحل مسائل کی تحقیق میں سرخرو ہو؟ اور پھر کیا ابتدائیہ میں ذکر کردہ شرائط کے مطابق امام محمد ۹ یا ۱۰ سال کی عمر میں مجتہد' فقیہ اور محدث ہو کر اس کے رکن قرار پائے تھے! نہیں اصل میں نہ کوئی کمیٹی تھی اور نہ ہی کوئی رکن۔

(۲۸) امام مکی بن ابراہیم بلخیؒ

ولادت ۱۲۶ھ وفات ۲۱۵ھ

منصب

صاحب انوار نے امام مکی بن ابراہیم کو بھی اس تدوین کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے اور ان کے بہت سے محاسن بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

امام مکی امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے جلیل القدر امام حافظ حدیث و فقیہ تھے۔ امام بخاری کے کبار شیوخ میں سے تھے اکثر ثلاثیات ان ہی سے روایت کی ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۲۱۱ ج ۱)

علمی مقام

موصوف بلاشبہ جلیل القدر محدث تھے جن کو سترہ تابعین کرام کی زیارت کا شرف اور ان سے علم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے علاوہ ازیں اپنے دور کے تمام اکابر محدثین سے اکتساب فیض کیا ہے جن میں امام مالک' امام ابن جریج' امام ہشام دستوائی' امام جعفر صادق' امام ابو حنیفہ اور عبدالعزیز بن رواد ہیں۔

اسی طرح ان سے فیض یاب ہونے والوں میں بھی اپنے دور کے نامور محدثین ہیں جن میں امام احمد بن حنبل' امام بخاری' امام ابن معین اور امام ذہلی وغیرہم ہیں۔ ورحمھم اللہ اجمعین۔ (تہذیب ص ۲۹۲ ج ۱۰)

ان کے ثقہ ہونے پر تمام محدثین کرام کا اتفاق ہے یہ صحاح ستہ کے اہم راوی ہیں۔ اور بلاشبہ ثلاثیات امام بخاری کے یہ راوی ہیں۔ بلکہ جامع المسانید کے مطابق یہ امام ابو حنیفہ کے بھی استاذ ہیں کیونکہ امام صاحب نے جامع المسانید میں ان سے روایتیں لی ہیں۔ مگر جامع المسانید امام صاحب کی کتاب نہیں بلکہ یہ مختلف کذاب راویوں کی محنت کا نتیجہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

رکنیت

امام مکی فرماتے ہیں میں ۱۲۶ھ کو پیدا ہوا۔ (تہذیب ص ۲۹۴ ج ۱۰)
اور یہ تو واضح ہے کہ موصوف بلخ کے رہنے والے تھے اور وہاں ہی پروان چڑھے جب عمر سترہ برس ہوئی تو علم حدیث کی طلب کی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

طلبت الحدیث ولی سبع عشرۃ سنۃ۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶۶ ج ۱)
میں نے سترہ برس کی عمر میں حدیث کی طلب کی۔

گویا کہ موصوف نے علم حدیث کے سیکھنے کا آغاز ۱۴۳ھ میں کیا جبکہ ۱۴۵ یا ۱۴۶ھ میں امام صاحب کی گرفتاری کی وجہ سے کمیٹی کی بساط لپیٹی جا چکی تھی بالفرض اگر انہوں نے علم کا طلب امام صاحب کی درسگاہ سے کیا ہو تب بھی وہ ۱۴۳ میں درسگاہ میں داخل ہوئے ہوں گے اور پھر انہیں امام صاحب سے تقریبا دو یا تین سال پڑھنے کا موقع ہاتھ آیا ہو گا تو وہ ان دو سالوں میں خود پڑھتے ہوں گے یا پھر وہ رکنیت کے فرائض انجام دیتے رہے ہوں گے جبکہ ہر رکن کے لئے عالم فاضل' محدث اور فقیہ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے کیا ممکن ہے کہ موصوف صرف دو سال میں یہ تمام منزلیں طے کر چکے ہوں گے؟

(۲۹) مندل بن علی عنزی

ولادت ۱۰۳ھ　　　　وفات ۱۶۸ھ

امام مندل بن علی کو بھی علامہ شبلی نے سیرت نعمان ص ۳۹۸۔ صارم صاحب نے تاریخ الفقہ ص ۶۹ اور مولف انوار نے اس کمیٹی کا اہم رکن قرار دیا ہے اور ان کی مدح میں بہت رطب اللسانی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے فرماتے ہیں۔

امام مندل محدث' صدوق' فقیہ' فاضل' کبار تبع تابعین میں سے ہیں امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے ایک ہیں۔ نیز سمعانی نے ذکر کیا ہے کہ مندل اور ان کے بھائی حبان (تذکرہ گرز چکا ہے) دونوں سب لوگوں سے زیادہ امام اعظم کی مجلس میں رہا کرتے تھے۔ علامہ کردری نے بھی نقل کیا ہے کہ مندل نے امام اعظم کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تکمیل کی۔ علامہ صمیری نے بھی دونوں بھائیوں کو امام صاحب کے تلامذہ و اصحاب میں لکھا ہے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۶۸)

علمی مقام

موصوف امام اعمش' عاصم الاحول' حمید الطویل' ہشام بن عروہ اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے روایت بیان کرتے ہیں اور ان سے روایت بیان کرنے والوں میں زید بن حباب' عبدالعزیز بن خطاب' ہشیم بن حمید اور یحییٰ حمانی وغیرہ ہیں۔ زہد اور ورع میں اچھا مقام رکھتے تھے۔ مگر حدیث اور روایت میں سخت ضعیف اور ناقابل اعتماد تھے جس کی تفصیل یہ ہے۔

امام ابن معین سے ان کے بارہ میں دو قسم کے اقوال مروی ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان کی روایت لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرا یہ کہ بذات خود تو نیک تھے مگر حدیث میں کچھ نہیں۔ (تاریخ بغداد ص ۲۴۸ ج ۱۳)

امام ابو حاتم فرماتے ہیں یہ شیخ ہیں۔

امام ابوزرعہ فرماتے ہیں لین الحدیث ہیں۔
امام احمد فرماتے ہیں ضعیف ہیں۔
علامہ عجلی فرماتے ہیں یہ جائز الحدیث ہیں **شیعیت** کی طرف میلان تھا۔
(میزان ص ۱۷۸ ج ۴)
حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ضعیف ہیں۔ (تقریب ص ۳۴۷)
امام جوزجانی فرماتے ہیں واھی الحدیث ہیں۔ (احوال الرجال ص ۷۰)
امام علی بن مدینی اور ان کے ہم عصر دیگر محدثین بھی انہیں ضعیف کہتے تھے۔
(تاریخ بغداد ص ۲۵۰ ج ۱۳)
امام طحاوی فرماتے ہیں یہ روایت میں اہل ثبت میں سے نہیں تھے اور نہ ہی قابل حجت ہیں۔ (تہذیب ص ۲۹۹ ج ۱۰)
امام دار قطنی فرماتے ہیں ضعیف اور متروک ہیں۔
(کتاب الضعفاء دار قطنی ص ۷۹)
امام سعدی فرماتے ہیں واھی الحدیث ہیں۔ (الکامل ص ۲۴۸ ج ۶)
امام شریک نے ان کی ایک روایت سن کر فرمایا تھا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ (الکامل ص ۲۴۴۸ ج ۶ و عقیلی ص ۲۶۷ ج ۴)
امام نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (ضعفاء ص ۳۰۴)
امام بخاری فرماتے ہیں اس کے پاس منکر روایات ہیں۔
(التاریخ الصغیر ۱۸۸)
امام ابن حبان فرماتے ہیں۔
یہ مرسل روایات کو مرفوع اور موقوف روایات کو مسند بنا دیتے تھے حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے روایات میں ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے۔ ان کا طریق ثقہ راویوں جیسا نہیں تھا۔ غضب کی غلطیاں کرتے اور عادل اور ثقہ راویوں کے

طریقہ سے ہٹے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کا ترک مستحق ہو گیا۔
(کتاب المجروحین ص ۲۵ ج ۳)

مذکورہ تصریحات سے واضح ہو گیا ہے کہ موصوف اگرچہ عابد' زاہد اور اچھے اوصاف کے حامل تھے مگر روایت حدیث میں ان کی حیثیت ثقہ راویوں جیسی نہ تھی۔ بلکہ یہ ضعیف اور ترک کے حقدار تھے یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں سوائے ابن ماجہ کے ان کی اور کسی کتاب میں کوئی ایک بھی روایت نہیں ہے۔ اور جو ابن ماجہ میں ہے وہ درجہ قبولیت سے ساقط ہے۔

مذہب

موصوف مندل شیعیت کی طرف میلان رکھتے تھے۔(تہذیب ص ۲۹۹ ج ۱۰)
امام ابن حبان فرماتے تھے مرجی تھے۔ (کتاب المجروحین ص ۲۵ ج ۳)

رکنیت

موصوف کا فقہ ساز مجلس کا رکن ہونا محل نظر ہے۔ وہ اس لئے کہ ان کا طریق کار فقیہانہ نہیں تھا بلکہ ان کی مجلس محدثانہ طرز کی ہوتی تھی جیسا کہ امام خطیبؒ نے ان کی ایک مجلس کا قصہ بیان کیا ہے کہ ایک لونڈی کھجوروں سے بھری ہوئی ٹوکری لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو موصوف نے سمجھا کہ یہ لونڈی میرے لئے ان کھجوروں کو بطور تحفہ لائی ہے انہوں نے اصحاب الحدیث جو اس وقت ان کی مجلس میں تھے ان کھجوروں کو ان میں تقسیم کر دیا۔ تو لونڈی نے جا کر اپنے آقا سے مذکورہ واقعہ کو بیان کیا تو اس کے آقا نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ (تاریخ بغداد)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مجلس میں اصحاب الحدیث ہوتے تھے اور یہ خود اصحاب الحدیث سے محبت رکھتے تھے اس لئے تو تمام کھجوریں ان میں بانٹ دیں۔

بالفرض یہ مجلس تدوین کے ایک اہم رکن تھے اور ان کا اس مجلس سے عام ارکان سے بھی بڑھ کر تعلق اور واسطہ تھا تو انہوں نے اس مجلس میں رہ کر جو خدمات جلیلہ انجام دیں ہیں ان کی تفصیل کیا ہے اور وہ کون سے دقیق اور باریک مسائل تھے جن کی بحث و تمحیص میں موصوف نے حصہ لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنے اہم رکن کے بارہ میں تو یہ چیزیں مجہول نہیں ہونی چاہئیں تھیں یہ مجہول کیوں ہیں اس لئے کہ کمیٹی کا وجود معدوم ہے کیا معدوم موجود کا وجود قرار پا سکتا ہے؟

(۳۰) امام نصر بن عبد الکریم

وفات ۱۶۹ھ

صاحب انوار نے جناب نصر بن عبدالکریم کو بھی اس کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے جبکہ علامہ شبلی اور صارم صاحب نے ان کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ صاحب انوار کے بقول۔

نصر محدث فقیہ تھے امام اعظم سے فقہ پڑھی اور ان کی مجلس تدوین کے شریک تھے امام صاحب سے احادیث و احکام بکثرت روایت کئے امام صاحب کے بعد امام ابویوسف کی خدمت میں رہے ان سے سفیان ثوری' موسیٰ بن عبید نے روایت کی۔ (مقدمہ انوار ص ۱۶۹ ج ۱)

علمی مقام

موصوف کا احناف کی معتبر کتابوں میں تذکرہ نہیں ملتا ہاں البتہ بعض غیر معروف اور ناقابل اعتماد مراجع میں ان کا تذکرہ موجود ہے جیسا کہ جامع المسانید اور جواہر المضیئہ ہیں۔ کتب رجال میں الانساب سمعانی اور تاریخ بغداد میں مختصر سا تذکرہ موجود ہے۔

علی بن فضل بلخی کہتے ہیں۔

یہ فقیہ تھے احادیث کے راوی اور قیاس میں مبالغہ کرنے والے صاحب مجلس تھے ابوحنیفہ کی کثرت سے مصاحبت کی۔ بغداد میں قاضی ابویوسف کے پاس ۱۶۹ کو وفات پائی۔ انہوں نے بہت سے اساتذہ سے روایت لی جن میں امام ثوری اور موسیٰ بن عبید ہیں۔ (تاریخ بغداد ص ۲۷۸ ج ۱۳)

امام علی بن فضل کا انتقال ۳۲۳ھ میں ہوا اور موصوف کا سال ولادت نامعلوم ہے۔ مگر نصر کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے یعنی دونوں کی وفات کے مابین ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ علی بن فضل نے نصر کا

زمانہ نہیں پایا۔ بلفظ دیگر موصوف نے یہ بات کسی دوسرے سے سنی ہے جو معلوم نہیں کہ وہ کون ہے لہٰذا یہ روایت ہی معتبر نہیں اس لئے امام صاحب سے مصاحبت کی داستان ہی ساقط الاعتبار ہے اس طرح ابویوسف کے پاس نصر کی وفات والی بات بھی علی بن فضل کی بیان کردہ ہے لہٰذا یہ کوئی معتبر نہیں۔

(اللمحات ص ۳۸ ج ۴)

رکنیت

ایسا شخص جس کے بارہ میں کوئی واضح معلومات ہی مہیا نہیں ہیں کہ علمی طور پر ان کا کیا مقام تھا حدیث میں کس پایہ کے محدث تھے کیا ثقہ بھی تھے یا کہ نہیں؟ اور فقاہت میں ان کو کتنا راسخ ملکہ حاصل تھا کیا اسے صرف ایک منقطع روایت کی بنا پر مجلس فقہ سازی کا رکن قرار دیا جا سکتا ہے بقول ندوی صاحب۔

ان کی تعدیل و توثیق کے متعلق کوئی بات منقول نہیں۔

(اللمحات ص ۴۰ ج ۴)

کیا ایسا آدمی مجلس تدوین کی مفروضہ شرائط پر پورا اتر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

(۳۱) قاضی نوح بن دراج

وفات ۱۸۲ھ

مولف انوار نے قاضی نوح بن دراج کو بھی مجلس فقہ سازی کا رکن قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ امام ابو محمد نوح بن دارج محدث و فقیہ تھے۔ امام اعظم، زفر، ابن ابی لیلیٰ، امام اعمش اور سعید بن منصور کے تلمیذ اور تدوین فقہ کے شریک کار رہے۔ فقہ میں امام صاحب سے مختص ہوئے اور جامع المسانید میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ (مقدمہ انوار ص ۱۹۰ ج ۱)

علمی مقام

موصوف نوح اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروۃ، فطر بن خلیفہ، امام محمد بن اسحاق، امام اعمش اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے ان سے روایت کرنے والے سعید بن منصور۔ عثمان بن ابی شیبہ۔ ابو نعیم ضرار بن صرد اسماعیل بن موسیٰ اور علی بن حجر وغیرہم ہیں۔

ان کی فقاہت کے بارہ میں تو ہمیں علم نہیں کہ یہ کس پایہ کے فقیہ تھے اور نہ ہی ان کا مرتب کردہ کوئی فقہ کا دفتر ہمارے سامنے موجود ہے کہ جس سے ان کی فقاہت کا معیار سامنے آتا ہو۔

جرح

ہاں البتہ ان کے محدث ہونے کے بارہ میں ائمہ ناقدین اور محدثین عظام نے بہت کچھ ذکر کیا ہے جس کا کچھ حصہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

امام ابن معین فرماتے ہیں۔ کذاب اور خبیث ہے حدیث کو بالکل نہیں جانتا اور نہ ہی کسی چیز کو اسے اچھا کر سکتا ہے۔ (تاریخ بغداد ص ۳۱۷ ج ۱۳)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کذاب ہے حدیثیں وضع کرتا تھا۔

(میزان ص ۲۷۶ ج ۴)

امام حاکم فرماتے ہیں ثقہ راویوں کا نام لے کر من گھڑت روایتیں بیان کرتا تھا۔ (المدخل الی الصحیح ص ۲۱۶)

امام زیلعی حنفی فرماتے ہیں۔ کذاب ہے۔

(تلخیص المستدرک ص ۱۴۴ ج ۳)

امام عجلی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (تاریخ بغداد ص ۳۱۶ ج ۱۳)

ابو نعیم فرماتے ہیں ثقہ راویوں کا نام لے کر منکر روایات بیان کرتا تھا لاشی ہے۔ (تہذیب ص ۴۸۴ ج ۱۰)

امام ابو حاتم فرماتے ہیں یہ قوی نہیں لوگوں کے ہاتھوں اس کی روایات کو نہیں دیکھا لوگوں نے اس کی روایات سے اپنے ہاتھوں کو روک لیا تھا۔

ساجی فرماتے ہیں محدثین کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔

(تاریخ بغداد ص ۳۱۷ ج ۱۳)

امام جوزجانی فرماتے ہیں زائغ ہے۔ (احوال الرجال ص ۵۷)

امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ (کتاب الضعفاء ص ۳۰۵ ج ۶)

امام بخاری فرماتے ہیں حدیث میں کچھ نہیں۔

(کتاب الضعفاء بخاری ص ۲۷۶)

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔ ثقہ راویوں کا نام لے کر موضوع روایات بیان کرتا بسا اوقات یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کثرت روایات بیان کرنے کے واسطے ایسا جان بوجھ کر کرتا ہے۔ (کتاب المجروحین ص ۴۶ ج ۳)

نوح جس قسم کا محدث تھا شاید فقاہت میں بھی ایسے ہی گل کھلاتا تھا۔

رکنیت

ایسا راوی جو خبیث، کذاب، متروک، زائغ جیسے شنیع اوصاف سے متصف ہو

کیا اس کمیٹی کے قواعد و ضوابط اسے رکن بننے کی اجازت دیتے ہیں۔ ویسے تو صاحب انوار نے اراکین میں ایسے ہی قسم کے حضرات کی زیادہ بھرتی کی ہے۔

(۳۲) ابو عصمہ نوح بن ابی مریم

انوار کے مولف نے ان کو بھی رکن بتلایا ہے اور انکے بارہ میں لکھا ہے کہ مشہور محدث و فقیہ تھے امام اعظم، ابن ابی لیلیٰ، حجاج بن ارطاۃ، زہری محمد بن اسحاق کے شاگرد تھے جامع العلوم تھے امام اعظم کی مجلس تدوین کے خاص رکن تھے اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ نے امام صاحب کی فقہ کو جمع کرنا شروع کیا تھا اس لئے جامع کہلائے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۶۹ ج ۱)

علمی مقام

مولف انوار نے نوح کے اساتذہ کی فہرست دے دی ہے تہذیب میں ان کے اور بھی اساتذہ کے اسماء ہیں جن سے یہ روایت کرتے تھے اسی طرح ان سے روایت کرنے والوں میں عیسیٰ بن موسیٰ غنجار۔ علی بن حسین۔ زید بن حباب۔ حبان بن موسیٰ۔ نعیم بن حماد اور سوید بن نصر ہیں۔ جامع العلوم کے نام سے معروف تھے۔ جیسا کہ مولف انوار نے ذکر کیا ہے مگر جو انہوں نے وجہ بیان کی ہے وہ اصل وجہ سے ہٹ کر ہے عباس بن مصعب کہتے ہیں کہ جامع العلوم انہیں اس لئے کہا جاتا تھا کہ انہوں نے فقہ ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے حاصل کی۔ حدیث حجاج بن ارطاۃ سے مغازی ابن اسحاق سے اور تفسیر کلبی سے۔ (تہذیب ص ۴۸۸ ج ۱۰)

یعنی مختلف علوم کو جمع کیا تھا اس لئے جامع العلوم کے نام سے معروف تھے۔

مذہب

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں جہمیہ کے زبردست مخالف اور ان کا رد کرنے والے تھے۔

محمد بن حمدویہ فرماتے ہیں مذہب الرجاء کا ان پر غلبہ تھا۔

(تہذیب ص ۴۸۸ ج ۱۰)

فقہ حنفی کے بارہ میں تجزیہ

موصوف امام صاحب کے اخص تلامذہ میں سے تھے مگر فقہ حنیفہ کے بارہ میں ان کا تجزیہ کچھ بہت ہی معنی خیز اور تعجب انگیز تھا۔ ان کے نزدیک فقہ حنفی قرآن کریم سے اعراض کا سبب ہے کہ جو لوگ امام صاحب کے اقوال کو اپناتے ہیں وہ قرآن سے دور ہو جاتے ہیں واللہ اعلم ان کے سامنے اس کے کیا اسباب اور حقائق تھے وہ خود اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ۔

رایت الناس اشتعنلوا بفقه ابی حنیفة واعرضوا عن القرآن فوضعت الحد یث

(المدخل لعلوم الحیث للحاکم ص ۲۰' والکفایه فی علم الروایته خطیب ص ۳۶ والفوائد البهیة فی تراجم الحنفیه ص ۱۷۷)

میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ابو حنیفہ کی فقہ میں مشغول ہو گئے ہیں اور قرآن کریم سے اعراض کر لیا ہے تو میں نے قرآن کی فضیلت میں حدیث وضع کی۔

جرح

نوح نے فقہ حنفی کے خوفناک نتائج کو سامنے رکھ کر لوگوں کو اس سے پھیرنے اور قرآن کریم کی طرف راغب کرنے کے لئے اتنی کوشش کی کہ وضع حدیث کا ارتکاب تک گوارہ کیا اور فضائل قرآن میں ایک لمبی حدیث اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں میں پھیلا دی گو ان کا یہ مشن ان کی نظر اور نیت میں کیسا تھا مگر علم حدیث میں وضع حدیث کا ارتکاب نہایت سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے اور پھر جب انہوں نے حدیث وضع کرنے کا اعتراف خود کر لیا تو وہ پایہ احتجاج سے ساقط ہو گئے یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک اس کی روایتی حیثیت مخدوش

اور ناقابل اعتماد ہے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں یہ معلی بن ابی ہلال کی طرح حدیث وضع کرتا تھا۔ (التاریخ الصغیر ص ۱۸۹ و عقیلی ص ۳۰۵ ج ۴)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں یہ منکر روایات بیان کرتا تھا حدیث میں کوئی شیئی نہیں۔ (عقیلی ص ۳۰۵ ج ۴)

امام بخاری فرماتے ہیں ذاہب الحدیث ہے۔ اس کی حدیث صحیح نہیں۔
(عقیلی ص ۳۰۵ ج ۴)

امام ابن معین فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔

امام سعدی فرماتے ہیں ساقط الحدیث ہے۔

امام ابن حماد فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ (الکامل ص ۲۵۰۶ ج ۷)

امام مسلم فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔

امام حاکم فرماتے ہیں فضائل قرآن میں اس نے حدیث وضع کی ہے۔
(میزان ص ۲۷۹ ج ۴)

اور فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے ہر چیز سے نوازا ہے سوائے صدق اور سچائی کے یہ اس سے محروم ہے۔ (المدخل ص ۲۱۸)

امام دار قطنی نے فرمایا یہ متروک ہے۔ (کتاب الضعفاء ص ۱۶۷)

امام جوزجانی فرماتے ہیں۔ ساقط الحدیث ہے۔ (احوال الرجال ص ۲۰۳)

امام ابو زرعہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔

امام ابو حاتم اور ساجی اور دولابی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں۔ نہ ثقہ نا مامون۔ ساقط الحدیث ہے۔

ابو رجاء کہتے ہیں روایت میں قابل تعریف نہیں۔

امام ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں کذاب ہے۔

ابو سعید نقاش فرماتے ہیں موضوع روایات بیان کرتا تھا۔

امام خلیلی فرماتے ہیں تمام محدثین کا اس کے ضعف پر اجماع ہے۔
امام ابن عیینہ اسے کاذب کہتے ہیں۔ (تہذیب ص ۴۸۸ ج ۱۰)
امام ابن حبان فرماتے ہیں۔
یہ ان راویوں میں سے ہے جو اسناد کو بدل ڈالتے ہیں اور ثقہ راویوں کا نام لے کر ان سے وہ روایات بیان کرتے ہیں جو ان کی روایات سے نہیں ہوتیں۔ اس کی روایت سے دلیل پکڑنا کسی صورت بھی جائز نہیں۔
(کتاب المجروحین ص ۴۸ ج ۳)
نوح جامع ہے اس نے سوائے سچائی کے اور ہر چیز کو جمع کیا ہے۔
(تہذیب ص ۴۸۸ ج ۱۰)
کیا ایسا شخص جو حدیث کے وضع کا خود اعتراف کرتا ہو نقاد محدثین کی اس کے بارہ میں کاذب اور وضاع ہونے کی شہادتیں بھی متواتر حد تک موجود ہوں۔ پھر وہ فقہ حنفی کو قرآن کریم سے اعراض کا ذریعہ اور سبب قرار دیتا ہو۔ وہ ایسی مجلس کا رکن قرار پا سکتا ہے؟

(۴۳) امام وکیع بن جراحؒ

ولادت ۱۲۹ھ وفات ۱۹۸ھ

علامہ شبلی۔ صارم صاحب اور انوار کے مولف نے امام وکیعؒ کو بھی فقہ ساز کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے علامہ شبلی فرماتے ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور ان سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہی کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے علامہ ذھبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ (سیرت نعمان ص ۳۶۸)

علمی مقام

امام وکیع علم حدیث کا بحر بے کنار تھے مشہور محدثین سے تلمذ تھا امام ہشام' امام ابن جریج' امام اوزاعی' امام مالک' امام شعبہ اور امام سفیان ثوری جیسے نابغہ روزگار موصوف کے استاذ تھے۔ ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد احاطہ شمار سے باہر ہے خود امام ثوری جو ان کے استاذ بھی تھے انہوں نے بھی ان سے روایت لی ہے علاوہ ازیں امام حمیدی' امام قعنبی' امام علی بن مدینی ان کے شاگرد ہیں۔ بالاتفاق ثقہ ثبت ہیں اور ان کی امامت مسلمہ ہے جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوا۔ صحاح ستہ میں ان کی اسناد سے متعدد احادیث مروی ہیں۔

مذہب

امام وکیع مسلک محدثین کے متبع تھے اہل الرای کو بنظر تحسین نہیں دیکھتے تھے بلکہ بعض مسائل میں ان کو بدعتی قرار دیتے تھے رائے اور قیاس کو ناپسند کرتے اور عمل بالحدیث کا نمونہ تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

میں نے یوسف بن عیسیٰ (ثقہ اور فاضل تھے' تقریب) سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے وکیع سے سنا جب انہوں نے ھدی کو اشعار کرنے والی روایت پیش کی تو

فرمایا اھل الرائ (احناف) کے قول کی طرف مت دیکھو۔ قربانی کے جانور کو اشعار کرنا سنت ہے اور یہ بدعت کہتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔

میں نے ابو السائب (امام وکیع کے شاگرد اور ثقہ تھے) سے سنا وہ فرماتے تھے ہم امام وکیع کے پاس تھے اہل الرائی میں سے ایک شخص نے کہا رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا اور ابو حنیفہ اسے مثلہ (اعضاء کا کاٹنا) کہتے ہیں اور ابو حنیفہ نے اس کو نخعی سے روایت کیا ہے کہ اشعار مثلہ ہے تو ابو السائب نے فرمایا میں نے وکیع کو دیکھا کہ وہ سخت غصے میں آکر فرمانے لگے۔

اقول لک قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وتقول قال ابراھیم۔

میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی بات کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ نخعی نے یہ کہا ہے۔

تو اس لائق ہے کہ تجھے اس وقت تک قید میں ڈال دیا جائے جب تک تو اپنے اس قول سے باز نہیں آجاتا۔ (ترمذی مع تحفہ ص ۱۰۷ ج ۲)

اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام وکیع اہل الرائی کے مذہب کو بدعت سے تعبیر کرتے تھے اور یہ بھی واضح ہوا کہ وہ سنت کے خلاف کسی کا فتوی بھی سننا گوارہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ لوگوں کو اہل الرائی کے مذہب اور رائے سے منع کیا کرتے تھے جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ فرماتے تھے۔

ایاکم ورائی ابی حنیفة (کتاب السنہ ص ۲۲۷ ج ۱)

لوگو۔ تم ابو حنیفہ کی رائے سے بچو۔

امام وکیع کا امام صاحب کی رائے سے لوگوں کو باز رہنے کا مشورہ ان کے تجربہ کی بنا پر تھا وہ یہ تھا کہ ان کی نظر میں بسا اوقات امام صاحب کی رائے حدیث کے خلاف جاتی تھی جیسا کہ امام ابو السائب فرماتے ہیں امام وکیع نے فرمایا۔

وجدنا ابا حنیفة خالف مائتی حدیث۔ (تاریخ بغداد ص ۴۰۸ ج ۱۳)

امام صاحب نے میری دسترس کے مطابق دو سو احادیث کی مخالفت کی ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام وکیع فقہ حنفی کو کچھ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ پھر ان واقعات سے علامہ شبلی کے اس قول کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ امام وکیع امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور ان کے قول کے مطابق فتوی دیتے تھے۔ اگر تقلید اسی کا نام ہے کہ لوگوں کو اپنے امام کے مذہب سے بدظن کیا جائے۔ اسے بدعتی مذہب کہا جائے اور لوگوں کو اس کے قبول کرنے سے روکا جائے تو امام وکیع ایسی تقلید تو کرتے تھے مگر عام مفہوم والی تقلید سو امام وکیع اس کے کبھی قریب بھی نہیں گئے تھے۔ تقلید اس دور میں تھی کب۔ یہ تو چوتھی صدی ہجری کے بعد کی پیداوار ہے امام وکیع سے ایسی تقلید کا کیا جوڑ۔

مرجیہ کی مخالفت

امام ابن معین فرمایا کرتے تھے کہ امام وکیع اصحاب الحدیث سے ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ محدثین کی جماعت میں شامل تھے۔ امام وکیع مرجیہ سے سخت مخالف تھے امام صاحب سے ان کی عدم موافقت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام صاحب مرجی تھے اور ارجاء کی دعوت دیتے تھے۔ اور امام وکیع مسلک محدثین کے متبع ہونے کی وجہ سے مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ اور ان کا عقیدہ اور مذہب بالکل واضح تھا کہ

ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ (کتاب السنہ ص ۳۱۰ و ص ۳۳۶ ج ۱)

اس بنا پر وہ امام صاحب کے بارہ میں بھی حسن ظن نہیں رکھتے تھے امام محمد بن خالد مصیصی فرماتے ہیں۔

میں نے امام وکیع سے سنا جب ان سے امام ابو حنیفہ کے بارہ میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا۔

کان مرجیئا" یری السیف (عقیلی ص ۲۸۳ ج ۴)

ابو حنیفہ مرجی تھے جو تلوار کو جائز سمجھتے تھے۔

نیز امام وکیع نے بھی فرمایا۔
جب ابو حنیفہ نے الرجاء کے حق میں کلام کیا تو امام ثوری کی ان سے مخاصمت ہو گئی تو ثوری فرمانے لگے۔

ینبغی ان ینفی من الکوفة او یخرج منھا۔ (کتاب السنہ ص ۲۲۲ ج ۱)
ابو حنیفہ تو اس لائق ہیں کہ ان کو کوفہ سے نکال دیا جائے یا وہ خود کوفہ چھوڑ جائیں۔

رکنیت

امام وکیع کی پیدائش ۱۲۸ یا ۱۲۹ کو ہوئی۔ (تاریخ بغداد ص ۴۹۷ ج ۱۳)
جبکہ یہ کمیٹی ان کی ولادت سے آٹھ یا نو سال پہلے وجود میں آچکی تھی۔ جب امام وکیع سن بلوغت کو پہنچے ہوں گے تو کمیٹی کی اپنی عمر پوری ہو چکی ہو گی بھلا ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والا بچہ جوان ہو کر اور عالم فاضل بن کر اس مجلس کا کیسے رکن بن سکتا ہے جو ۱۴۵ھ کو اپنا وجود کھو چکی تھی گویا کہ کمیٹی کے خاتمہ کے وقت امام وکیع کی عمر سولہ سے زائد نہ تھی تو کیا جو عقائد و مذہب کے لحاظ سے کمیٹی کے سربراہ سے اتفاق بھی نہ کرتا ہو اور اس کی قابلیت بھی کمیٹی کے قواعد و ضوابط کے مطابق موثر نہ ہو تو پھر وہ کمیٹی کا رکن ہو گا۔

(۳۴) قاضی ہشام بن یوسف

وفات ۱۹۷ھ

مولف انوار نے امام ہشام کو بھی اس فرضی کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محدث' فقیہ' امام صاحب کے تلمیذ خاص اور شرکاء تدوین فقہ میں تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۷ ج ۱)

علمی مقام

امام ہشام محدث عظیم اور صنعاء کے قاضی تھے امام معمر' ابن جریج اور ثوری وغیرہ اکابر محدثین کے تلمیذ اور امام شافعی' علی بن مدینی' یحیٰی بن معین' اسحاق بن راہویہ وغیرہ نامور محدثین اور فقہاء کے استاذ تھے صحیح مسلم کے علاوہ باقی صحاح کی پانچوں کتابوں میں ان کی مرویات موجود ہیں۔ تمام محدثین کرام کا ان کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔

رکنیت

امام ہشام کا اس کمیٹی کا رکن ہونا تو بہت بعید کی بات ہے' ان کا حنفی المذہب ہونا بھی ثابت نہیں۔ پھر امام ذہبی کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۳۰ھ کے بعد ہوئی ہے۔ (اللمحات ص ۵۲۱ ج ۴)

بھلا جو کمیٹی کے تشکیل کے سن میں پیدا ہوا ہو وہ عمر کے کس سن میں عالم بنے ہوں گے اور پھر جب کہ ان کا کوفہ میں آنا بھی امام صاحب کی زندگی میں معلوم نہ ہو۔ اور اپنی جوانی کی عمر تک اپنے آبائی ملک یمن میں رہے ہوں' امام ابراہیم بن موسیٰ فرماتے ہیں۔

امام ثوری جب یمن میں تشریف لائے تو انہوں نے ایک ایسے کاتب کا طلب کیا جو سریع الخط ہو تو امام ہشام کا انتخاب ہوا اور امام ہشام امام ثوری کے محرر اور

سیکرٹری مقرر ہوئے۔ (تہذیب ص ۵۷ ج ۱)

اس سے واضح ہے کہ امام ہشام اپنی جوانی تک اپنے وطن میں ہی رہے وہیں پڑھا اور کتابت سیکھی تو آپ غور کریں کہ اتنے مراحل طے کرنے میں کتنے سال صرف ہوئے ہوں گے اور جبکہ یہ ثابت نہیں کہ امام صاحب کبھی خود یمن آئے ہوں تو قاضی ہشام سے ان کی ملاقات ہوئی یا جوانی میں امام ہشام کوفہ میں وارد ہوئے ہوں تو انہوں نے امام صاحب سے پہلے فقہ حاصل کی ہو اور پھر وہ کمیٹی کے رکن بنے ہوں۔

نیز وہ امام ثوری کے محرر تھے اور ظاہر ہے کہ امام ثوری امام صاحب کے بارہ میں کیسے نظریات رکھتے تھے ان کے پاس رہنے والا اور ان کی ملازمت کرنے والا بھلا اس کمیٹی کا رکن بن سکتا ہے۔

لہذا امام ہشام کا اس کمیٹی کا رکن بننا کسی صورت میں بھی ثابت نہیں ہے۔ اور ان کا رکن ہونا ثابت کیسے ہوتا جبکہ جس کمیٹی کا ان کو رکن ثابت کیا جا رہا ہے اس کمیٹی کا خود وجود ہی ثابت نہیں ہے۔

(۳۵) ہشیم بن بشیر واسطی

ولادت ۱۰۵ھ　　　　وفات ۱۸۳ھ

صاحب انوار فرماتے ہیں۔

موصوف محدث و فقیہ نیز امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۹۰ ج ۱)

علامہ شبلی اور صارم صاحب نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

علمی مقام

موصوف ثقہ اور ثبت تھے سوائے تدلیس کے ان پر کوئی اور الزام نہیں۔ یہ بلند پایہ عالم اور فاضل تھے صغار تابعین اور کبار تبع تابعین سے علم حاصل کیا۔ امام مالک، ثوری اور شعبہ جیسی بلند پایہ شخصیات امام ہشیم کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ صحاح ستہ کے ایک اہم راوی ہیں۔

مذہب

موصوف کے بارہ میں اگرچہ بالصراحت معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ارجاء وغیرہ کے بارہ میں کیا نظریہ رکھتے تھے ہاں البتہ ان کے اساتذہ اور تلامذہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محدثین کرام کے طریق پر تھے۔ واللہ اعلم۔

رکنیت

ایک روایت کے مطابق موصوف ۱۰۵ کو واسط شہر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی ان کے والد ان کی اعلیٰ تعلیم کے مخالف تھے اور انہیں تعلیم کے حصول سے روکتے تھے جیسا کہ امام حربی فرماتے ہیں کہ

موصوف جب ابتدائی زندگی میں تحصیل علم حدیث کرتے تھے تو ان کے باپ

انہیں پڑھنے سے روکتے تھے مگر موصوف اس کے باوجود پڑھتے رہے حتیٰ کہ قاضی واسط ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان سے مناظرہ کرنے لگے دریں اثناء موصوف ایک بار بیمار ہوئے تو ابو شیبہ ان کی تیمارداری کو آئے۔ اور انہیں یافتی اے جوان کے لفظ سے مخاطب کیا۔ یعنی ہشیم اس وقت جوان تھے اس کے بعد ان کے والد نے ہشیم کو تحصیل علم کی اجازت دے دی۔ (اللمحات ص ۴۱۶ ج ۴)

اس واقعہ سے مصرحہ ہے کہ موصوف عالم شباب میں اپنے آبائی شہر واسط میں ہی مقیم تھے۔ علامہ ندوی فرماتے ہیں "موصوف ہشیم ۱۲۳/۱۲۴ھ میں تحصیل علم کے لئے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔" (ایضاً)

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف جب حصول علم کی خاطر گھر سے نکلے تو وہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور یہ وہ دور تھا جب اس فرضی کمیٹی کو قائم ہوئے تین یا چار سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اور امام ہشیم ابھی کوفہ سے بہت دور مکہ مکرمہ میں طالب علم ہی تھے۔ علامہ خطیب نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "ہشیم ایام قدیمہ سے اپنے شہر واسط سے بغداد آکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ رئیس احمد فرماتے ہیں

شہر بغداد کی آباد کاری ۱۴۴/۱۴۵ھ کے بعد ہی موصوف بغداد میں آباد ہوئے ہوں گے۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ موصوف نے کوفہ کو کبھی سکونت گاہ بنایا ہو حالانکہ تدوین کے ہر رکن کے لئے ضروری تھا کہ وہ کم از کم مجلس تدوین کے زمانہ وجود یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک کوفہ میں مستقل طور پر مقیم رہے مگر ان کے بارہ میں اس امر کا ثبوت نہیں کہ وہ کوفہ میں مستقل ایک یا دو سال تک ہی مقیم رہے ہوں۔ البتہ تحصیل علم کے لئے وہ دو چار ماہ کوفہ میں ضرور رہے ہوں گے۔ (اللمحات ص ۴۱۶ ج ۴)

علامہ ندوی کی اس تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف کوفہ میں کبھی بھی مستقل طور پر آباد نہیں ہوئے جس سے ان کا اس فرضی کمیٹی کے رکن قرار پانے کی نفی از خود ہو جاتی ہے۔

(۳۶) ھیاج بن بسطام تیمی

وفات ۱۷۷ھ

انوار کے مصنف نے ھیاج کو بھی اس فرضی کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے۔
(مقدمہ انوار ص ۱۷۱ ج ۱)
جبکہ علامہ شبلی اور صارم صاحب نے ان کے بارہ میں خاموشی اختیار کی ہے۔ انوار کے مولف کے مطابق یہ بہت سے اوصاف کے حامل تھے حدیث و فقہ میں گہرا مقام رکھتے تھے بڑے فصیح، حلیم، سخی اور رحمدل تھے امام صاحب سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا۔

علمی مقام

ممکن ہے موصوف میں مذکورہ بیان کردہ تمام خوبیاں پائیں جاتی ہوں مگر راوی حدیث کی حیثیت سے ان کا درجہ محض ایک ضعیف راوی کا ہے اور تقریباً تمام محدثین کرام نے ان پر جرح کی ہے اور ان کو روایت حدیث میں ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔
امام ابن معین فرماتے ہیں ضعیف ہے کوئی شیئی نہیں۔
(الکامل ص ۲۵۹۲ ج ۷ و عقیلی ص ۳۶۶ ج ۴)
امام ابوحاتم نے فرمایا۔ اس کی روایت لی جائے مگر اسے دلیل نہ بنایا جائے۔
امام ابوداؤد فرماتے ہیں محدثین نے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔
امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔
امام سفیان بن یعقوب فرماتے ہیں اس کی حدیث سے بے رغبتی کی گئی ہے اور محدثین اسے ضعیف کہتے ہیں۔

امام صالح بن محمد فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب ص ۸۸ ج ۱۱)
امام نسائی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔
(کتاب الضعفاء نسائی ص ۳۰۶)
امام ابن حبان فرماتے ہیں۔ یہ ثقہ راویوں کا نام لے کر معضل روایات بیان کرتا اور ثقات کی مخالفت کرتا یہ ناقابل حجت اور ساقط الاحتجاج ہے۔
(کتاب المجروحین ص ۹۶ ج ۳)

مذہب

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔
ھیاج مرجی تھا اور اس مذہب کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا تھا۔
(کتاب المجروحین ص ۹۶ ج ۳)

توثیق کی حقیقت

امام مکی بن ابراہیم اور ذھلی اور یحییٰ بن احمد سے ان کی ثقاہت بیان کی جاتی ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تو اتنے عظیم گروہ کی تضعیف کے مقابلہ میں ان کی توثیق کا کیا وزن۔ مگر ثقاہت کا یہ قول ثابت نہیں ہے۔ علامہ ندوی فرماتے ہیں۔
مکی سے مروی ہونے والی سند میں احمد بن محمد بن یٰسین ھروی کذاب ہے اور اس کذاب نے جس سے یہ سند نقل کی ہے اس کے روات غیر معروف ہیں اور حاکم کے حوالہ سے ذھلی کی طرف جو قول منسوب ہے، اس کی سند ہی موجود نہیں۔ یحییٰ بن احمد ہروی کا حال نامعلوم ہے۔ (اللمحات ص ۷۱ ج ۴)
لہٰذا۔ ھیاج کی توثیق کسی ایک محدث سے بھی ثابت نہیں ہے۔

کنیت

کیا ایسا شخص جس کی ولادت کا زمانہ معلوم نہیں پھر وہ اہل سنت سے ہٹ کر مرجی مذہب کا داعی ہو محدثین کرام کے نزدیک ناقابل حجت اور ناقابل اعتماد ہو وہ رکن بننے کے اہل ہے؟

(۳۷) امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ

ولادت ۱۲۰ھ　　　　وفات ۱۸۳ھ

علامہ شبلی نے سیرت نعمان ص ۳۶۵۔ صارم صاحب نے تاریخ الفقہ ص ۶۹ اور صاحب انوار نے امام یحییٰ کو فقہ سازی کی مجلس کا رکن بتلایا ہے اور یہ ریمارک دیا ہے کہ۔

امام طحاوی نے کہا کہ یحییٰ بن زکریا امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک وہی مسائل مدونہ کو لکھتے رہے۔ (مقدمہ انوار ص ۱۹۴ ج ۱)

علمی مقام

امام یحییٰ بن زکریا بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ امام اعمش، ابن عون، عاصم الاحول اور دیگر کبار محدثین کرام کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کا شمار اتباع التابعین میں ہے۔ صحاح ستہ میں ان کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ معروف ائمہ ناقدین نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام ثوری کے بعد ان کا مقام سمجھا جاتا ہے حدیث میں غلطی نہیں کرتے تھے امام ابن معین فرماتے ہیں صرف ایک حدیث میں غلطی کی ہے اتنے بڑے محدث سے جو کثیر الروایات ہو ایک غلطی کا ہو جانا کوئی عیب والی بات نہیں۔

مذہب

جرح و تعدیل کے مشہور امام عجلیؒ فرماتے ہیں۔

كان ممن جمع له الفقة والحديث وكان على قضاء مدائن ويعد من حفاظ الكوفيين للحديث مفتيًا ثبتا صاحب سنة.

یہ ثقہ اور فقہ و حدیث کے جامع تھے مدائن کے قاضی اور حفاظ کوفہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ثقہ ثبت مفتی اور صاحب سنت تھے۔

(تاریخ الثقات ص ۴۷۱)

یہ تو متعدد دفع گزر چکا ہے کہ سنت کا لفظ مرجیہ اور دیگر فرق بدعیہ اور ضالہ کے برخلاف خالص اہل سنت یعنی مسلک محدثین کے لئے خاص تھا۔ امام عجلی کی وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امام یحیٰی بن زکریا کا تعلق بھی محدثین کرام کے حلقہ سے تھا پھر خصوصاً ان کے اساتذہ اور تلامذہ سے بھی اس کی تقویت ہو جاتی ہے کہ موصوف مسلک محدثین پر کاربند تھے۔

رکنیت

موصوف کی علمی قدر و منزلت میں کسی کو بھی کوئی شبہ نہیں وہ ایسے ہی اوصاف کے حامل تھے جیسا کہ ان کے تذکرہ میں موجود ہے ہو سکتا ہے کہ ان کا تلمذ امام صاحب سے بھی رہا ہو۔ مگر موصوف کے دعویٰ کے مطابق قرائن ان کی رکنیت کے خلاف ہیں۔ وہ اس لئے کہ بقول ان کے ۱۲۰ھ میں یہ کمیٹی قائم ہوئی اور یہی سن امام یحیٰی کی ولادت کا ہے۔ اور ان احباب کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کمیٹی میں جو بھی مسئلہ طے پاتا امام یحیٰی اسے ضبط تحریر کرتے۔ پھر انہوں نے یہ خدمت مسلسل تین سال تک انجام دی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ موصوف پیدا ہوتے ہی پہلے دن ہی قلم و قرطاس کو ہاتھ میں لئے احناف کی اس علمی مجلس کی محرری کے لئے مجلس میں پہنچ گئے تھے۔ علامہ شبلی کی تحقیق میں ان کی ولادت ۱۱۹ھ میں ہوئی ہے۔ (سیرت نعمان ص ۳۶۷)

مگر امام ابن سعد جو تاریخ رجال کے مسلمہ امام ہیں وہ اور ان کے ساتھ

بعض دیگر مورخین فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ کی وفات ۱۸۳ھ کو ہوئی ہے اور امام یعقوب فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ اور امام ابن قانع نے ان کا سن وفات ۱۸۴ بیان کیا ہے۔ (تہذیب ص ۲۰۹)

ان ائمہ محققین کی آراء و تحقیق میں موصوف کا سن ولادت ۱۲۰ یا ۱۲۱ ہے۔ تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمیٹی قائم ہوئی تھی تو موصوف اس کے ایک سال بعد یا کمیٹی کی تشکیل کے سال میں پیدا ہوئے تھے تو کیا ایسا شخص جو تدوین کے وقت پیدا ہی نہ ہوا ہو یا اگر یہ پیدا ہوا ہے تو اس کی عمر چند دن یا چند ماہ سے زائد نہ ہو وہ محرری کرنے کی لیاقت رکھ سکتا ہے اور پھر جو اس کمیٹی کے قواعد و ضوابط جن کا تذکرہ ابتدائیہ میں گزر چکا ہے چند ایام کی عمر کا بچہ ان کا حامل ہو سکتا ہے کیا اب بھی اس کمیٹی کے افسانہ ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ علامہ شبلی جنہوں نے سیرت نعمان میں رطب و یابس کے ڈھیر لگا دیئے ہیں اور حاطب اللیل بننے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی وہ بھی اس موقع پر چونک اٹھے اور امام یحییٰ کی مسلسل تیس سال محرری کو غلط قرار دیا۔ (سیرت نعمان ص ۳۶۷)

امام یحییٰ کی محرری کو امام طحاوی کے نام منسوب کرنا ذہن اس پر کچھ مطمئن نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر امام طحاوی نے اس افسانوی حکایت کو بیان کیا ہے تو اس میں ان کی عدم تحقیق کا قصور ہے وہ ایک محدث تھے مگر انہوں نے محدثانہ کردار ادا نہیں کیا اور ایک بے بنیاد بات کہہ دی۔ یا پھر وہی بات ہے جو ان کے بارہ میں امام بیہقی نے فرمائی ہے کہ۔

امام طحاوی کی علم حدیث صناعت نہ تھی۔ چند باتوں کو سن سنا کر جمع کر لیتے تھے۔ (لسان ص ۲۷۷ ج ۱) ہم کہتے ہیں ان کا امام صاحب کی مجلس میں فقہ سازی کے لیے شریک رہنا حقائق کی روشنی میں غلط ہے اور جب کہ قرائن یہ ہیں کہ امام یحییٰ کا اس کمیٹی سے کوئی تعلق نہیں تھا جب یہ کمیٹی کے رکن بننے کے لائق ہوئے ہوں گے تو اس وقت کمیٹی اپنا وجود کھو چکی ہوگی۔ کیونکہ رکنیت کی جو شرائط

بیان ہوئی ہیں وہ پچیس تیس سال سے کم عمر میں ممکن ہی نہیں خود جب امام صاحب نے اس مفروضہ کمیٹی کا آغاز (اگر کیا ہو) تو ان کی عمر چالیس سال تھی۔ صحیح بات تو یہی ہے کہ امام یحیٰ نہ تو اس کمیٹی کے رکن تھے اور نہ ہی اس کمیٹی کا کوئی وجود تھا۔

(۳۸) امام یحییٰ بن سعید القطانؒ

ولادت ۱۲۰ھ **وفات ۱۹۸ھ**

علامہ شبلی اور صاحب انوار نے امام یحییٰ قطان کو بھی اس فرضی کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے اور دونوں حضرات نے ان کے بہت سے اوصاف اور مناقب بیان کئے ہیں اور امام صاحب کا ان کو شاگرد قرار دیا ہے۔ علامہ شبلی نے ان کے بارہ میں بہت کچھ بیان کیا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ۔

امام یحییٰ قطان فن رجال کے بانی ہیں اور درس حدیث میں امام احمد' ابن مدینی وغیرہ کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور درس میں یہ نماز عصر سے لے کر نماز مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔ امام یحییٰ امام صاحب کے درس میں اکثر شریک ہوتے اور اکثر مسائل میں ان کی تقلید کرتے ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ فوت ہوئے۔ (سیرت نعمان ص ۳۶۲)

حدیث اور فقہ میں امام صاحب کے شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن رکین تھے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۸ ج ۱)

علمی مقام

ان حضرات نے امام یحییٰ قطان کے جو فضائل و مناقب بیان کئے ہیں وہ بالکل درست ہیں بلکہ ان کا مقام اس سے بھی کہیں زیادہ ہے اکابر محدثین امام سلیمان تیمی' حمید طویل' ہشام بن عروہ' مالک اور ثوری کے شاگرد ہیں اور اس طرح امام احمد' امام ابن معین' امام ابن مدینی اور دیگر کثیر تعداد نامور محدثین کرام کے استاذ ہیں (فرحمہم اللہ اجمعین) علم حدیث اور نقد رجال کے مسلمہ اور قابل

حجت امام ہیں بالاتفاق ثقہ ثبت ہیں اور کتب صحاح کے مرکزی راویوں میں سے ہیں۔

مذہب

یہ مسلک محدثین پر تھے ان کے عقائد وہی تھے جو اہل سنت محدثین کرام اور ائمہ حدیث کے تھے ایمان کی کمی اور زیادتی کے بارہ میں ان کا وہی مذہب تھا جو اہل حدیث کا ہے مرجیہ والا نہیں تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

ما ادركنا من اصحابنا ولا بلغنى الا على الاستثناء والايمان قول وعمل۔ (کتاب السنہ ص ۳۱۰ ج ۱)

میں نے اپنے اصحاب (محدثین میں سے) جس کو بھی پایا وہ ایمان میں استثناء جائز سمجھتے تھے۔ ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے ہمنوا نہ تھے بلکہ وہ امام صاحب کے مذہب کو محدثین کے مذہب کے برخلاف سمجھتے تھے وہ ایمان کو قول اور عمل کا مرکب سمجھتے تھے اور اس میں استثناء کے بھی قائل تھے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ ایماندار کہے کہ میں انشاء اللہ ایماندار ہوں۔ احناف اس استثناء کو جائز نہیں سمجھتے جبکہ محدثین کرام اسے جائز جانتے ہیں محدثین کے پاس بہت سے واضح دلائل ہیں جو کسی اور مقام پر ہم ذکر کریں گے۔

امام صاحب کے بارہ میں موقف

بقول ان حضرات کے کہ وہ مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جو کسی کی تقلید کرتا ہے وہ اس کے بارہ میں اچھا ہی موقف اور خیال رکھتا ہوتا ہے مگر موصوف امام صاحب کے بارہ میں وہ موقف نہیں رکھتے تھے

جس کا تقلید تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ امام یحیٰ قطان امام ثوری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

استتاب اصحاب ابی حنفیۃ ابا حنیفۃ مرتین۔ (کتاب السنہ ص ۱۹۲ ج ۱)

اس طرح اور فرماتے ہیں۔

ہم بعض چیزوں میں امام صاحب پر عیب لگاتے ہیں اور جنہیں ہم اچھا سمجھتے ہیں ان میں موافقت کر لیتے ہیں۔ (الانتقاء ص ۱۳۱)

مذکورہ حوالہ سے امام یحیٰ کی امام صاحب کی تقلید کرنے کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

رکنیت

امام یحیٰ قطان کا اپنا بیان ہے کہ میں ۱۲۰ھ کو پیدا ہوا ہوں۔

(تہذیب ص ۲۱۹ ج ۱۱)

علامہ شبلی نے ان کی ولادت ۱۳۰ھ لکھی ہے اگر علامہ شبلی کے تحریر کردہ سن کو تصحیف قرار نہ دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ امام یحیٰ کمیٹی کی تشکیل اور معرض وجود میں آنے کے دس سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔

اور پھر یہ پیدا بھی بصرہ میں ہوئے علم کا آغاز اور ابتداء بھی وہیں ہوئی۔ اور جب وہ علم کے مراحل طے کر رہے ہوں گے تو ادھر اس کمیٹی کی بساط لپیٹی جا رہی ہوگی۔ کیونکہ ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ میں یہ کمیٹی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی اور امام صاحب گرفتار ہو کر پس دیوار زنداں چلے گئے تھے۔

ہم کہتے ہیں امام یحیٰ قطان کا امام صاحب کی مجلس میں کثرت سے شریک ہونا محض ایک افسانہ ہے کیونکہ ان کی ولادت اور امام صاحب کا جیل جانے کا زمانہ کثرت مصاحبت اور طویل صحبت کی نفی کرتا ہے۔

پھر وہ امام صاحب پر تنقید کرنے والے اور بعض مسائل میں ان پر عیب

لگاتے تھے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ امام صاحب کے مذہب کے پیروکار نہ تھے محدثین کرام بھی ان کو حنفی بلاک میں نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا انتساب امام مالک کی طرف تھا۔ امام خلیلیؒ فرماتے ہیں۔

هو امام بلا مدافعة وهو اجل اصحاب مالك بالبصرة

(تہذیب ص ۲۲۰ ج ۱۱)

وہ بلا مدافعت امام تھے اور بصرہ میں امام مالک کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔

لہٰذا ان کو امام صاحب کا مقلد قرار دینا اور پھر اس مصنوعی مجلس کا رکن باور کرانا محض ایک افسانہ ہے اور ان حضرات کی کھینچا تانی ہے۔

(۳۹) قاضی ابویوسفؒ

ولادت ۱۱۳ھ　　　　وفات ۱۸۲ھ

موصوف قاضی صاحب کو تینوں حضرات یعنی علامہ شبلی، صارم اور مولف انوار نے کمیٹی کا رکن قرار دیا ہے۔

علمی مقام

قاضی صاحب نے امام محمد بن اسحاق، قاضی بن ابی لیلیٰ اور امام ابوحنیفہ و دیگر اساتذہ کرام سے علم حاصل کیا پہلے پہل قاضی صاحب کا تعلق قاضی ابن ابی لیلیٰ کے حلقہ سے تھا پھر بچند وجوہ ان سے منقطع ہو کر امام صاحب کی صحبت میں چلے آئے۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ پھر اس کے بعد امام صاحب سے ان کی حیات تک منسلک رہے۔ صاحب انوار نے امام صاحب سے زمانہ صحبت سترہ سال ذکر کیا ہے۔

(مقدمہ الانوار ص ۱۴۷ ج ۱)

قاضی صاحب فقہ حنفیہ میں بہت بلند مقام کے حامل ہیں بعض نے تو ان کو مجتہد مطلق بھی کہا ہے۔

(مقدمہ انوار ص ۱۷۰ ج ۱)

فقہ حنفیہ کی تمام معتبر کتابوں میں قاضی صاحب کے اقوال بکثرت مذکور ہیں اور بعض جگہ تو ان کے اقوال کو درجہ قبولیت بھی حاصل ہے۔

امام صاحب سے اختلاف

بلاشبہ انہوں نے اپنے استاذ گرامی کی صحبت سے بہت استفادہ کیا۔ اور عدیم الوقوع فقہی موشگافیوں تک رسائی حاصل کی۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے امام صاحب سے عقائد اصول اور فروع میں اختلاف کیا۔ فقہی اختلافات تو اس قدر زیادہ ہیں کہ فقہ حنفیہ کی ہر کتاب کا ہرورق بلکہ ہر صفحہ اس پر شاہد عدل ہے۔ اور ایک مجتہد کے لئے ایسا ہونا بھی چاہیئے۔

عقائد میں اختلاف

مگر عقائد جو مسلمات سے ہیں ان میں قاضی صاحب کا اپنے استاذ ذی وقار سے اختلاف ناقابل فہم ہے امام صاحب جیسا کہ متعدد مرتبہ گزر چکا ہے کہ وہ ایمان کی کمی و بیشی اور اعمال کا ایمان میں داخل نہ ہونے کے مسئلہ میں مرجیہ کے حامی تھے اور یہی ارجاء کا اثر پہلے پہل قاضی صاحب پر بھی غالب تھا جیسا کہ امام عقیلی نے بسند صحیح نقل فرمایا ہے کہ۔

قاضی شریک کی عدالت میں ابویوسف کسی شہادت کے سلسلہ میں پیش ہوئے۔ تو قاضی شریک نے ان کی شہادت کو رد کر دیا اس واقعہ کے ناقل امام یحییٰ بن آدم (ثقہ فاضل ہیں تقریب) فرماتے ہیں میں نے قاضی شریک سے کہا کیا آپ ابویوسف کی شہادت کو رد کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔

انا ارد شهادة من يزعم ان الصلوة ليست من الايمان۔ (لسان ص ۳۱۰ ج ۶)

میں ہر اس شخص کی شہادت کو رد کر دیتا ہوں جو یہ خیال رکھتا ہو کہ نماز ایمان سے نہیں ہے۔

اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شہادت کے موقعہ تک قاضی ابویوسف بھی اپنے استاذ کے مذہب ارجاء پر تھے مگر بعد میں انہوں نے اس مذہب کو ترک کر کے اہل سنت کے مذہب کو اپنا لیا تھا امام ابن حبان فرماتے ہیں۔ قتیبہ

بن سعید نے فرمایا۔

سمعت ابا یوسف یقول الا یمان قول و عمل یزید و ینقص۔

(کتاب الثقات ص ۶۴۵ ج ۷)

میں نے ابویوسف سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ ایمان قول اور عمل ہے جو زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

امام ابن عدی ناقل ہیں کہ قاضی صاحب نے فرمایا۔

من قال ایمانی کا یمان جبریل فھو صاحب بدعۃ۔

(الکامل ص ۲۶۰۳ ج ۷)

جو یہ کہے کہ میرا ایمان جبریل کے ایمان کے برابر ہے وہ بدعتی ہے۔

اعمال کو ایمان میں داخل سمجھنا اور اس میں کمی و بیشی کا نظریہ رکھنا اس کا واضح ثبوت ہے کہ قاضی صاحب نے اس بارہ میں اپنے استاذ کے مذہب کو ترک کر کے اہل سنت کا مذہب اپنا لیا تھا۔

نظریہ تقلید

قاضی صاحب نے بہت سے مسائل میں اپنے استاذ امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے جو اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہے کہ قاضی صاحب تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ان کے نزدیک کسی ایک مجتہد کی تقلید جائز ہوتی تو وہ ضرور اپنے شیخ اور استاذ کی تقلید کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ جس جگہ دلائل کی رو سے مناسب سمجھا اختلاف کیا۔ اسی اختلاف کی بابت ان سے سعید بن سلم باھلی (جو عالم فاضل تھے) نے دریافت کیا تو قاضی صاحب نے فرمایا۔

انما کان ابوحنیفہ مدرسا فما کان من قولہ حسنًا قبلناہ۔ وما کان قبیحًا ترکناہ علیہ۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳)

امام ابوحنیفہ استاذ تھے ان کی اچھی بات کو ہم قبول کر لیتے اور دوسری کو

چھوڑ دیتے۔

اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی سند میں کچھ مقال ہے کہ قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

انا کنا ناتیه یدرسنا الفقة ولم نکن نقلده ديننا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳)

ہم امام ابو حنیفہ سے فقہ کا درس لینے آتے مگر ہم دین میں ان کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

خود قاضی صاحب اپنے فتووں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

لا یحل لاحد ان یقول مقالتنا حتی یعلم من این قلناه

(ایقاظ همم اولی الابصار ص ۷۰)

کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ بغیر دلیل معلوم کئے ہمارے قول کو اپنائے۔

ان آثار جمیلہ سے معلوم ہوگیا کہ قاضی صاحب نہ خود تقلید کرتے تھے اور نہ کسی دوسرے کو تقلید کی اجازت دیتے تھے۔ مزید تفصیل ہماری کتاب مقلدین ائمہ کی عدالت میں سے ملاحظہ فرمایئے۔

قاضی القضاۃ

قاضی صاحب کا بچپن تنگ دستی اور افلاس سے دوچار تھا ہر طرف غربت کے ڈیرے تھے۔ کوئی مستقل اور مستحکم ذریعہ معاش نہ تھا۔ مگر علمی ذوق ضرور تھا امام صاحب سے تعلق قائم ہونے کے بعد کچھ حالات سدھرے کہ امام صاحب ان کی مالی معاونت کیا کرتے تھے۔ امام صاحب کی وفات کے سولہ سال بعد ۱۶۶ھ میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور یہ ان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ جو جاہ و جلالت کے ساتھ ذریعہ معاش کا بھی سبب بنا۔ قاضی صاحب اس منصب جلیل پر سولہ سال تک فائز رہے اور مشرق میں یہی سولہ سال حنفی مذہب کے پھیلنے اور نشوونما کے ہیں۔ قاضی صاحب نے اس منصب سے پورا فائدہ اٹھایا اور

حنفی مذہب کی اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ جس سے یہ مذہب سرکاری تائید کے ساتھ بڑی تیزی سے پھیلا۔

طرز فیصلہ

قاضی صاحب جس دور میں اس منصب جلیل پر فائز ہوئے تھے وہ دور کچھ اس قسم کا تھا کہ عباسی حکمرانوں میں عملی طور پر اتنی دینی شدت نہیں رہ گئی تھی جتنی کہ پہلے خلفاء میں تھی۔ بسا اوقات فیصلے حکومت کے حسب منشا طے پاتے۔ اور اس کے لئے مختلف قسم کے بہانے تراشے جاتے اور غلط ذرائع استعمال میں لائے جاتے گو اس قسم کے فیصلے قلیل الوجود تھے مگر پھر بھی خصوصاً حکمران طبقہ کے جرائم کے بارہ میں کافی حد تک نرمی برتی جاتی۔ حالانکہ اسلام کی رو سے جرم جرم ہے خواہ وہ ایک عام شہری سے سرزد ہوا ہو یا حاکم وقت سے۔ مگر حنفی مذہب والوں نے اس کے لئے ایک سہل اور جاذب نظر اصول وضع کر دیا کہ۔

وکل شئی صنعه للامام الذی لیس فوقه امام فلا حد علیه الا القصاص۔

(ہدایہ ج ۲ ص ۵۲۰)

حاکم اعلیٰ جو کچھ بھی کر گزرے اس پر سوائے قصاص کے اور کسی جرم میں کوئی حد نہیں ہے۔

اس قانون اور اصول کی رو سے حاکم اعلیٰ کو ہر قسم کے جرم سے بری قرار دے دیا گیا۔ یہ غالباً اصول حکمران طبع کے مزاج کو سامنے رکھ کر وضع کیا گیا جس سے بعد میں آنے والے حالات نے کچھ اور ہی رنگ بدلا اور حکمران خود کو ہر قسم کے اصول سے بالاتر سمجھنے لگے۔ جس کی تصدیق مندرجہ ذیل کے دو واقعات سے ہوتی ہے امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

جب مسند خلافت پر خلیفہ ہارون رشید متمکن ہوئے تو ان کا دل اپنے باپ

کی ایک لونڈی کی طرف مائل ہوا۔ خلیفہ نے لونڈی کو اپنی طرف کھینچنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن لونڈی نے یہ کہہ کر خلیفہ کی خواہش کو رد کر دیا کہ میں آپ کے باپ کی لونڈی ہوں اور میں ان کے حرم میں رہ چکی ہوں اور وہ مجھ سے وطی کرتے تھے۔ اس لئے میں اب آپ کے لئے حلال نہیں ہوں (خلیفہ کی نظر قاضی ابویوسف کی طرف اٹھی) اور قاضی صاحب کو بلانے کے لئے پیغام بھیجا اور کہا کہ یہ صورت پیش آئی ہے کہ لونڈی نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ میں آپ کے باپ کی موطوہ رہ چکی ہوں' کیا آپ کے پاس اس کا کوئی حل موجود ہے (قاضی صاحب نے مسئلہ حل کر دیا) اور فتویٰ دیا کہ امیرالمومنین آپ اس لونڈی کی بات صحیح تسلیم نہ کریں۔ لونڈی جو دعویٰ کرے تو آپ اس کی تصدیق کریں گے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے والے امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اس (حاکم) پر تعجب کروں جس نے مسلمانوں کے خونوں اور مالوں میں ہاتھ ڈالا اور اپنے باپ کی حرمت کا بھی پاس نہ کیا بلکہ اس کے ریزہ ریزہ کرنے پر تلا ہے یا اس لونڈی سے جس نے خود کو امیر المومنین سے بے راغب رکھا۔ یا اس فقیہ اور قاضی (ابویوسف) پر جس نے امیر المومنین کو اپنے باپ کی حرمت پھاڑنے اور اپنی شہوت کو پورا کرنے کا یہ فیصلہ دیا کہ اس کا گناہ میری گردن پر آنے دیں۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۲۲)

اس واقعہ کو امام عجلی نے احمد بن حنبل مروزی سے انہوں نے عبدہ بن سلیمان مروزی سے اور انہوں نے امام عبداللہ بن مبارک سے .سند صحیح بغیر خلیفہ کے ذکر کے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے اس واقعہ کی صحت یقینی ہو جاتی ہے۔ (عقیلی ص ۴۴۳ ج ۴)

دوسرا واقعہ جسے امام عبداللہ بن یوسف فرماتے ہیں۔

خلیفہ رشید نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں نے ایک لونڈی خریدی ہے اور استبراء رحم سے قبل میں اسے موطوہ بنانا چاہتا ہوں کیا اس کے جواز میں آپ

کے پاس کوئی حیلہ ہے قاضی صاحب فرمانے لگے کیوں نہیں؟ آپ لونڈی کسی اپنے بچے کو ہبہ کر دیں اور پھر آپ اس سے شادی کر لیں۔

امام اسحاق بن راہویہ (محدث کبیر اور بالاتفاق ثقہ) نے بیان فرمایا ہے کہ۔

خلیفہ نے قاضی صاحب کو رات کے وقت بلایا اور مذکورہ مسئلہ میں فتویٰ طلب کیا۔ تو قاضی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا تو خلیفہ نے ایک لاکھ درہم انعام کا حکم نامہ جاری فرمایا تو قاضی صاحب فرمانے لگے۔ اگر امیر المومنین صبح ہونے سے پہلے ادا کرنے کو مناسب سمجھیں تو؟ خلیفہ نے فی الفور ادائیگی کا حکم جاری کیا تو کسی نے کہا خزانچی تو اب گھر جا چکا ہے اور دروازے بند ہیں۔ تو قاضی صاحب فرمانے لگے ہمیں جب بلایا گیا تھا تو اس وقت بھی دروازے بند تھے۔ میں بھی تو دروازہ کھول کر ہی یہاں آیا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳)

شرعی احکام میں یہ حیلے بہانے محض خلیفہ کی خوشنودی اور غیر شرعی خواہشات کی تکمیل کے لئے تراشے گئے تھے اسی طرح بسا اوقات قاضی صاحب خلیفہ کی رضا جوئی کے لئے اپنے فقہی مذہب تک کو بھی قربان کر دیتے تھے کتب فقہ میں جس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اختصار کے پیش نظر صرف ایک مثال ہدیہ قارئین کرام کی جاتی ہے۔

خلیفہ ہارون رشید نماز عید بارہ تکبیروں کے ساتھ ادا کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب تھا۔ ایک عید کے موقعہ پر قاضی ابویوسف بھی بغداد میں ہی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے نماز عید پڑھائی۔ خلیفہ بھی اس نماز میں شریک تھے تو قاضی صاحب نے اس نماز میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق زوائد تکبیروں سے نماز عید پڑھائی۔

(تعلیق علی الھدایہ ص ۱۷۳ ج ۱)

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تو قاضی صاحب کے ساتھ امام محمد کو بھی ملایا ہے کہ وہ بھی ابن عباس کے مذہب کے مطابق عید کی تکبیریں کہا کرتے

تھے فرماتے ہیں۔

بے شک ابویوسف اور محمد عیدین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تکبیریں کہا کرتے تھے وہ اس لئے کہ ہارون رشید اپنے دادا کی تکبیرات کو پسند کرتا تھا۔

فقہ حنفی کے دو بڑے سطونوں نے محض خلیفہ کی خوشنودی کے لئے اپنے فقہی مذہب کو چھوڑ دیا حالانکہ اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے شدید اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس مع تکبیر تحریمہ بارہ تکبیرات کے قائل ہیں۔ جبکہ حنفی صرف چھ زوائد تکبیروں کی اجازت دیتے ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ حاملین فقہ حنفی کا تقریباً عمومی مزاج یہ رہا ہے کہ اس مذہب کو سرکاری مویدات کی نظر کیا جائے خواہ بنیادی اصولوں سے ہاتھ ہی دھونا پڑے مگر حکمران طبقہ ہاتھ سے نہ نکل جائے اور یہ مزاج آج بھی مختلف اندازوں میں پایا جاتا ہے فقہ حنفی میں نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں مگر جب کوئی حکمران فوت ہو تو اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ ضیاء الحق کی باقاعدہ اعلان اور اشتہار دے کر نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی گئی اور اخبارات میں باقاعدہ اس کی تصویر بھی چھپی۔

اپنے فتووں کے بارہ میں موقف

علامہ رئیس ندوی نے تذکرۃ الحفاظ اور العبر ذہبی کے حوالہ سے امام یحییٰ نیشاپوری کے حوالہ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

قاضی ابویوسف جرجان میں قیام کے زمانہ میں بیمار ہوگئے۔ میں ان کے پاس گیا ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا لوگو تم گواہ رہو میں نے لوگوں کو جتنے بھی فتوے دیئے ہیں ان سب سے رجوع کرتا ہوں۔ سوائے ان فتووں کے جو کتاب اللہ میں موجود ہیں اور جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ (اللمحات ص ۱۰۹ ج ۴)

ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

قد رجعنا عنه الا ما وافق کتاب اللّٰہ و سنۃ نبیہ۔

(کتاب الضعفاء نسائی ص ۳۱۰)

ان فتووں کو چھوڑ کر جو کتاب و سنت کے موافق ہیں باقی تمام سے میں نے رجوع کیا ہے۔ مذکورہ الصدر حقیقت سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے عند الموت محسوس کر لیا تھا کہ ان کے کچھ فتوے کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہی فتوے قیامت کے دن میرے مواخذہ کا سبب بنیں لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ وقت آنے سے پہلے ہی ان سے رجوع کر لیا جائے۔

قاضی صاحب کا اپنے فتووں سے رجوع کرنا مقلدین حضرات کے لئے باعث عبرت اور لمحہ فکریہ ہے جو بغیر کسی تحقیق کے اپنے ائمہ کے فتووں کو عمل کے لئے حرف آخر سمجھتے ہیں۔ جب ائمہ کرام اپنے ان فتووں سے جو کتاب و سنت کے موافق نہیں تھے اور بمقاضا بشریت ان کا صدور ائمہ کرام سے ہو گیا تھا معلوم ہونے پر انہوں نے ندامت کا اظہار بھی کیا اور ان فتووں سے بریت بھی کر لی۔ اور کئی موقعوں پر اپنے فتووں پر بلا تحقیق اور بلا دلیل عمل کرنے سے بھی منع فرمایا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مقلدین حضرات جو اپنے ائمہ کی تقلید کا دم بھرتے ہوئے تھکتے نہیں وہ ان کے اس بارہ میں ارشاد اور حکم کو قابل التفات اور لائق توجہ نہیں گردانتے۔ اگر وہ ائمہ کے ایسے فتووں پر عمل کرنے پر مصر ہیں تو گویا وہ اپنے ائمہ کے حکم کی تعمیل اور تقلید نہیں کرتے بلکہ حکم عدولی اور مخالفت کرتے ہیں۔ ائمہ تو قیامت کے دن اپنے رجوع کا عذر پیش کر کے انشاء اللہ بری ہو جائیں گے مگر ان حضرات کے پاس کیا عذر ہو گا جنہوں نے ائمہ کے منع کرنے کے باوجود ان کے ایسے فتووں کو بھی قابل حجت اور عمل سمجھا جو کتاب و سنت کے موافق نہ تھے۔

تعدیل

ہم امام صاحب کے حالات میں وضاحت کر آئے ہیں کہ امام صاحب کا

مدرسہ دارالحدیث نہیں تھا بلکہ وہاں زیادہ تر بحث و تمحیص قیاس و آراء کے بل بوتے پر ہوتی تھی۔ قاضی صاحب بھی اسی فضا میں علمی پرورش پا رہے تھے اس لئے ان پر بھی قیاس کی چھاپ غالب تھی۔ مگر انہوں نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ بھی بعض دیگر اہل علم سے استفادہ کیا تھا جن کا میلان حدیث کی طرف تھا ان کی وجہ سے قاضی صاحب بھی اپنے حلقہ کے تمام احباب میں حدیث میں زیادہ دسترس رکھتے تھے مگر ایک راوی کی حیثیت سے متنازعہ فیہ شخصیت تھے۔ اکثر محدثین کرام کے نزدیک حدیث میں ضعیف تھے چند ایک محدثین کرام نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام نسائی فرماتے ہیں۔ ابویوسف ثقہ تھے۔

امام عمرو بن ناقد فرماتے ہیں۔ صاحب سنت تھے۔ ابوحاتم فرماتے ہیں۔ ان کی حدیث لکھی جائے۔ مزنی فرماتے ہیں اپنے احباب میں حدیث کی سب سے زیادہ اتباع کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں اصحاب الرائی میں سے ان سے زیادہ کوئی نہ حدیث والا ہے اور نہ ہی کوئی اثبت ہے۔ امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں میں ان سے روایت لیتا ہوں۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں جب یہ ثقہ سے روایت کریں اور ان سے روایت کرنے والا بھی ثقہ راوی ہو تو پھر ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ (میزان ص ۴۴۷ ج ۴)

امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

یہ شیخ متقن تھے سوائے فروع کے صاحبین کے مذہب پر نہیں چلے۔ مسئلہ ایمان اور قرآن میں ان سے مختلف تھے۔ (لسان ص ۳۰۱ ج ۶)

یہ وہ چند اقوال ہیں جو محدثین کرام سے راقم کو قاضی صاحب کی توثیق یا مدح میں ملے ہیں ان اقوال میں سوائے امام نسائی اور ابن حبان کے کسی اور قول سے قاضی صاحب کی مطلق توثیق ثابت نہیں ہوتی گو کہ تعدیل کا جزوی خاکہ پایا جاتا ہے بہرحال موصوف امام نسائی اور ابن حبان کے نزدیک ثقہ تھے مگر یہ معلوم

نہیں کہ امام نسائی نے سنن میں اور امام ابن حبان نے الصحیح میں ان سے کوئی حدیث روایت کیوں نہیں کی۔

جرح

قاضی صاحب کی تجریح اور تضعیف بیان کرنے والوں کی تعداد توثیق کرنے والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے اور تجریح کے الفاظ بھی نسبتاً سخت ہیں۔ پھر تجریح کرنے والوں میں عام محدثین کے ساتھ ان کے استاذ گرامی بھی شامل ہیں۔

امام صاحب سے بسند صحیح منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

الا تعجبون من یعقوب یقول علی ما لا اقول۔

(تاریخ صغیر ص ۲۰۰ والکامل ص ۲۶۰۳ ج ۶)

کیا تم یعقوب (ابو یوسف کا نام گرامی ہے) سے تعجب نہیں کرتے کہ مجھ پر وہ بات کہتا ہے جو میں نے کہی نہیں ہوتی۔

امام صاحب سے یہ بھی منقول ہے۔

ابویوسف یکذب علی۔ یہ مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

(الکامل ص ۲۶۰۳ ج ۶)

امام صاحب کے ان مذکورہ اقوال سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک قاضی صاحب قابل اعتماد نہ تھے بلکہ کذاب تھے۔ اور کذاب ہونا سنگین اور مفسر جرح ہے۔ جب کہ ان کے کذاب ہونے کی تصریح خود امام صاحب نے فرمائی ہے اب دیکھنا ہے کہ مقلدین حضرات مذکورہ اقوال کی روشنی میں قاضی صاحب کو کس طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں محدثین نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔

امام فلاس فرماتے ہیں۔ صدوق ہیں مگر غلطیاں بہت کرتے تھے۔ (کثیر الغلط ہونا جرح مفسر ہے مبہم نہیں ہے۔)

امام فضیل بن عیاض سے قاضی صاحب کے علم کے بارہ میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے کونسا علم؟

امام عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں۔ ابویوسف فاسق ہے۔

(لسان ص ۳۰۱ ج ٦)

امام ابن معین فرماتے ہیں۔ یہ حدیث کو نہیں پہچانتے تھے۔

(عقیلی ص ۴۳۹ ج ۴)

قبل ازیں تعدیل میں امام ابن معین کا قول گزر چکا ہے کہ قاضی صاحب اصحاب الرائے میں سب سے زیادہ حدیث کے پیروکار تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل الرائی میں عامل بالحدیث تھے جیسا کہ امام ابن معین سے یہ قول بھی منقول ہے کہ۔

ابویوسف اہل حدیث کی طرف مائل تھے۔ میں نے ان سے روایات لکھی ہیں۔ (تاریخ ابن معین ص ٦٠٨ ج ۲)

قاضی صاحب کا اہل حدیث کی طرف یہی میلان حدیث کی اتباع کا سبب تھا مگر بحیثیت راوی امام ابن معین انہیں فن حدیث کا ماہر نہیں مانتے تھے بلکہ وہ اس میں کمزور سمجھتے تھے۔ جیسا کہ امام ذہبی نے امام ابن معین سے قاضی صاحب کا لین الحدیث ہونا بھی بیان کیا ہے۔ (میزان ص ۴۴۷ ج ۴)

اور یہ بھی امام ابن معین سے .سند صحیح مروی ہے کہ قاضی صاحب سے حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل ص ۲٦۰۲ ج ٦)

امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں۔

لا یحل الروایة عنه انه کان یعطی اموال الیتامی مضاربته" و یجعل الربح لنفسه (عقیلی ص ۴۴۰ ج ۴)

قاضی ابویوسف سے روایت لینا جائز نہیں اس لئے کہ یہ یتیموں کے مال مضاربت پر دیتے تھے اور نفع خود لے جاتے تھے۔

امام ثوری فرماتے ہیں۔ ابویوسف مجھ سے کافی عرصہ تک ایک حدیث پوچھتے رہے مگر میں انہیں نااھل سمجھ کر حدیث بیان نہ کرتا۔ اتفاقاً ایک دن میں خلیفہ ہارون کی مجلس میں حاضر تھا تو قاضی صاحب نے کہا امیرالمومنین ان کے پاس ایک عمدہ حدیث ہے۔ آپ ان سے وہ پوچھئے۔ میں نے خلیفہ کے کہنے پر حدیث بیان کر دی تو ابویوسف نے اسے چوری کر لیا۔ (عقیلی ص ۴۴۳ ج ۴)

امام احمد بن حنبل سے اسد بن عمرو اور قاضی ابویوسف کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

لا ینبغی ان یروی عنہم۔ (عقیلی ص ۴۴۴ ج ۴)

یہ اصحاب ابی حنیفہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان سے روایت لی جائے۔

امام جوزجانی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سے فارغ ہے۔ (احوال الرجال ص ۷۷)

امام ذھبی فرماتے ہیں فیہ شئی۔

(نصب الرایہ ص ۲۰۴ ج ۱) (ص ۳۵۸ ج ۲)

امام عبداللہ بن مبارک سے قاضی صاحب اور امام محمد کے بارہ میں پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے بڑا عالم کون ہے؟ تو امام ابن مبارک نے جواب دیا۔

لا تقل ایھما اعلم۔ ولکن قل ایہما اکذب۔ (الکامل ص ۲۶۰۲ ج ۶)

یہ نہ کہو کہ ان دونوں میں بڑا عالم کون ہے بلکہ یہ کہو کہ ان دونوں میں بڑا کذاب کون ہے۔

قارئین کرام!

قاضی صاحب کے بارہ میں محدثین کے تعدیلی اور تضعیفی فیصلے آپ کے سامنے ہیں ہم ان پر کوئی حاشیہ آرائی نہیں کرنا چاہتے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ حدیث کی معتبر اور مشہور کتابوں خصوصاً صحاح ستہ میں ان کی سند سے کوئی روایت منقول نہیں ہے ان کی روایات کا اگر کہیں وجود ہے تو وہ طبقہ ثالثہ اور رابعہ کی

کتابوں میں ہے یا پھر جو ان کی تصنیف کردہ ہیں مگر ان کی تصنیف کردہ کتابیں بھی عند العلماء درجہ مقبولیت سے قاصر رہی ہیں۔ اور ثقہ محدثین کی کتابوں کی طرح موثر کردار کے ساتھ اپنا مقام پیدا نہیں کر سکیں۔

رکنیت

قاضی صاحب کی ولادت کا سال ۱۱۳ھ ہے جب کہ ابتداء" وہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے اور بعد میں امام صاحب کے حلقہ میں چلے آئے محققین احناف کے مطابق جیسا کہ اجمالاً پہلے گزر چکا ہے امام صاحب سے قاضی صاحب کی مصاحبت کا کل زمانہ سترہ سال ہے جبکہ یہ کمیٹی ۱۲۰ھ کو قائم ہو چکی تھی اور امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے تو اس حساب سے قاضی صاحب کا امام صاحب کی شاگردی میں آنے کا زمانہ ۱۳۳ھ بنتا ہے یعنی کمیٹی قائم ہونے کو تیرہ سال گزر چکے تھے پھر انہوں نے ۱۳۳ھ کے بعد امام صاحب سے تعلیم حاصل کی اور فراغت کے بعد اس کے رکن منتخب ہوئے جو سارا عرصہ تقریباً تیرہ سال کا بنتا ہے جس میں اگر تعلیم کے دس سالوں کو نکال دیا جائے تو گویا کہ کمیٹی کے انجام تک قاضی صاحب کی کل تین سالہ رفاقت بنتی ہے جس سے اس سارے افسانہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قاضی صاحب کمیٹی کے اولین ممبران میں سے تھے بلکہ کمیٹی کے محرر اور ناظم بھی تھے۔

پروپیگنڈہ ہی سے تو ایسی بے بنیاد چیز کا وجود منوایا جا سکتا ہے۔ مگر جب حقیقت کی سان پر اس کو تراشہ جائے تو یہ اپنا وجود کھو دیتی ہے۔

پھر قاضی صاحب تو خود امام صاحب کے نزدیک کذاب اور ناقابل اعتماد تھے اور قاضی صاحب کے امام صاحب سے اعتقادی اور فروعی اختلافات تھے تو کیا یہ کمیٹی تضادات کا مجموعہ تھی۔

(۴۰) یوسف بن خالد سمتی

ولادت ۱۲۳ھ وفات ۱۹۰ھ

صاحب انوار رقم طراز ہیں۔

یوسف سمتی امام صاحب کے تلامذہ و اصحاب میں مشہور عالم، فقیہ کامل و محدث ثقہ تھے تدوین فقہ میں شریک رہے۔ (مقدمہ انوار ص ۲۰۵ ج ۱)

مذہب

موصوف اہل سنت سے بہت دور جہمیت کے حامی اور موید تھے امام ابوحاتم فرماتے ہیں میں نے اس کی ایک کتاب دیکھی ہے جو اس نے جہمیہ کی تائید میں لکھی ہے اس کتاب میں موصوف نے قیامت اور میزان (ترازو اعمال) کا انکار کیا ہے۔ (میزان ص ۴۶۴ ج ۴)

اور امام ابن حبان نے ان کو مرجی بھی قرار دیا ہے۔ (کتاب المجروحین ص ۱۳۱ ج ۳)

جرح

راقم کے علم میں نہیں کہ کسی معروف محدث نے سمتی صاحب کی توثیق کی ہو اور اسے حدیث میں قابل اعتماد قرار دیا ہو ہاں البتہ ان پر اتنی سنگین جرح ہے کہ اس جرح کے اوپر کوئی اور جرح ممکن نہیں۔

امام جوزجانی فرماتے ہیں غیر ثقہ ہے۔ (احوال الرجال ص ۱۰۷)

امام بخاری فرماتے ہیں اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے اور ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ محدثین نے اس پر کذاب ہونے کی چوٹ لگائی ہے۔
(تاریخ صغیر ص ۲۰۴ و کتاب الضعفاء بخاری ص ۲۸۰)

ابن سعد فرماتے ہیں ضعیف ہے۔
امام نسائی فرماتے ہیں ثقہ نہیں۔
امام شافعی فرماتے ہیں۔ ثقہ نہیں۔ (میزان ص ۴۶۴ ج ۴)
امام یعقوب فرماتے ہیں اہل دیانت اور معرفت اس سے روایت نہیں لیتے۔

امام عجلی فرماتے ہیں۔ متروک ہے۔
امام ابن معین فرماتے ہیں۔ بہت بڑا جھوٹا خبیث، اللہ کا دشمن، بہت بڑا زندیق ہے اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔
امام عمرو بن علی فرماتے ہیں کذاب ہے۔
امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔ کذاب ہے۔
امام معمر فرماتے ہیں۔ کذاب ہے۔ (تہذیب ص ۴۱۱ و ص ۴۱۲ ج ۱۱)
امام ابن حبان فرماتے ہیں۔

کان یضع الاحادیث علی الشیوخ ویقرئہا علیہم ثم یرویہا عنہم لا تحل الروایۃ عنہ بحیلۃ ولا احتجاج بہ بحال۔ (کتاب المجروحین ص ۱۳۱ ج ۳)

یہ شیوخ کے نام پر روایتیں گھڑ کر پھر انہیں شیوخ پر پڑھ دیتا اور انہی شیوخ کے نام سے ان کو آگے روایت کر دیتا تھا اس سے کسی صورت میں بھی روایت لینا جائز نہیں اور نہ ہی اس سے دلیل پکڑنا جائز ہے۔

یہ تو تھی اس کی روایت میں حالت اب صاحب انوار کے الفاظ کا کہ یہ محدث ثقہ ہے اندازہ کیجئے۔ انہوں نے کس دیدہ دلیری سے معاملہ کو الٹ کر دیا۔ ایک کذاب کو یک قلم ثقہ قرار دے دیا۔

رکنیت

امام ابن سعد فرماتے ہیں۔

اس نے ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور ابن قانع فرماتے ہیں ۱۹۰ھ کو فوت ہوا۔ تو گویا کہ موصوف سمتی ۱۲۳ھ کو پیدا ہوئے تھے جبکہ فقہ ساز کمیٹی کی عمر تین سال ہو چکی تھی پھر سمتی صاحب جوان ہوئے علم حاصل کیا۔ اتنی دیر کو کمیٹی اپنی طبعی عمر پورا ہونے کے قریب ہو گئی۔ اور بتصریح امام طحاوی ان کی امام صاحب سے مصاحبت صرف اڑھائی سالہ ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اڑھائی سال میں انہوں نے امام صاحب سے فقہ سیکھی ہو گی یا کہ وہ پہلے دن سے ہی کمیٹی کے اہم رکن قرار دیئے گئے تھے۔

پھر جو قرآن کے بیان کردہ عقائد لازمہ کے رد میں محض جمیت کی تائید میں کتاب تالیف کرتا ہے اور ترازو اور میزان کا انکار کرتا ہے تو کیا ایسا شخص رکنیت کے لائق ہو سکتا ہے؟ خبیث اور کذاب آدمی کی لیاقت کیا ہو سکتی ہے؟

جب کمیٹی ہی نہیں تو رکنیت کیسی اور لیاقت کیا؟

مجلس فقہ سازی کا انجام

بالآخر اس کمیٹی کا انجام وہی ہوا جو کسی بھی پروپیگنڈہ اور جھوٹ کی بنیاد پر قائم کی گئی چیز کا ہوتا ہے۔ اس کمیٹی کے چالیس ارکان کی عرق ریزی' محنت شاقہ' جہد بلیغ کو ردی سمجھ کر یا کسی اور وجہ سے بیکار کر دیا گیا اور اس کے تحقیق شدہ اور مرتب کردہ تیرہ لاکھ مسائل کو ایسے معدوم کر دیا گیا کہ آج صفحہ ارض پر ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کو بیکار سمجھ کر ضائع کیا گیا ہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ ایسی کمیٹی کا امام صاحب کی زیر نگرانی قیام وجود میں نہیں

آیا۔ اس کمیٹی کو تو امام صاحب کے تقریباً چار سو سال بعد خیالی وجود میں متشکل کیا گیا مگر چونکہ یہ سراسر افسانہ اور جھوٹ تھا اس لئے جب بھی اہل قلم اور اہل علم نے اس کمیٹی کی نقاب کشائی کی تو پردہ کے پیچھے سوائے پروپیگنڈہ کے کچھ نظر نہ آیا۔

اختتم بحمد اللّٰہ الکتاب "داستان حنفیہ" ولہ المنۃ والاحسان والیہ المرجع والماٰب

کتبہ

ابو انس محمد یحییٰ بن محمد یعقوب گوندلوی



مصادر و مراجع

القرآن الکریم تنزیل من الرحمٰن الرحیم

۲۔ احوال الرجال۔ امام ابو اسحاق الجوزجانی م ۲۵۹ھ تحقیق صبحی البدای ط مؤسستہ الرسالہ

۳۔ اسد الغابہ۔ امام ابن اثیر م ۶۳۵ھ ط الریاض

۴۔ اعلام الموقعین۔ امام ابن القیم م ۷۵۱ھ ط مصر۔

۵۔ الاکمال فی اسماء ارجال ملحقہ مشکوۃ خطیب تبریزی ط کراچی

۶۔ ابو حنیفہ کی قانون ساز کمیٹی۔ مولانا کرم الدین سلفیؒ ط ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ

۷۔ امام الکلام۔ مولانا عبدالحی الکھنویؒ ۱۳۰۴ھ ط ادارہ احیاء السنہ گھرجاکھ گوجرانوالہ

۸۔ الانتقاء۔ امام ابو عمر ابن عبدالبر الاندلسی القرطبی م ۴۶۳ھ ط بیروت

۹۔ الانصاف۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ ط بیروت،

۱۰۔ ایقاظ ھمم اولی الابصار۔ امام صالح بن محمد الفلانی ۱۲۱۸ھ ط گوجرانوالہ

۱۱۔ التاریخ امام یحییٰ بن معین م ۲۳۳ھ ط الریاض

۱۲۔ تاریخ بغداد۔ الامام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی م ۴۶۳ھ ط بیروت

۱۳۔ تاریخ الثقات۔ امام عجلی م ۲۶۱ھ تحقیق عبدالمعطی قلعجی ط بیروت

۱۴۔ تاریخ الخلفاء۔ علامہ جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ ط کراچی

۱۵۔ التاریخ الصغیر۔ امام بخاری م ۲۵۶ھ ط مکتبہ اثریہ سانگلہ ھل

۱۶۔ تاریخ الفقہ۔ قاضی ظہور الحسن تصحیح عبدالصمد صارم ط ادارہ علمیہ لاہور

۱۷۔ التاریخ الکبیر۔ امام بخاری ۲۵۶ھ ط احیاء التراث العربی

۱۸۔ تذکرۃ الحفاظ۔ امام محمد بن احمد بن عثمان شمس الدین ابو عبداللہ الذھبی م ۷۴۸ھ ط حیدر آباد دکن

۱۹۔ تعلیق علی کتاب الستہ۔ الاکتور محمد بن سعید القحطان ط دارابن القیم الامام

۲۰۔ تعلیق علی اللسان۔ حسن نعمانی ط حیدر آباد دکن
۲۱۔ التعلیق علی الھدایہ۔ مولانا عبدالحی الکھنوی ۱۳۰۴ھ ط کراچی
۲۲۔ التعلیق الممجد۔ علامہ عبدالحی الکھنوی ۱۳۰۴ ط کراچی
۲۳۔ تقریب۔ حافظ ابن حجر عسقلانی م ۸۵۲ھ ط دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ
۲۴۔ التلخیص الحبیر۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تحقیق عبداللہ ہاشم مکتبہ اثریہ سانگلہ ھل شیخوپورہ
۲۵۔ تلخیص مستدرک حاکم امام ذھبی ۷۴۸ھ ط دار الفکر بیروت
۲۶۔ التنکیل۔ علامہ عبدالرحمٰن المعلمی م ۱۳۸٦ بتحقیق البانی مکتبہ سلفیہ لاہور
۲۷۔ تہذیب التھذیب۔ حافظ ابن حجر م ۸۵۲ھ ط حیدر آباد دکن
۲۸۔ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی۔ امام ترمذی م ۲۷۹ھ ط ملتان
۲۹۔ جزء رفع الیدین مع جلاء العینین۔ امام بخاری م ۲۵٦ھ ط ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد
۳۰۔ حاشیۃ علی البخاری۔ مولانا احمد علی سہارنپوری ط کراچی
۳۱۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی م ۱۱۷٦ھ ط مکتبہ سلفیہ لاہور
۳۲۔ حسن البیان۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی م ۱۳۳۸ھ ط لاہور
۳۳۔ حلیۃ الاولیاء۔ امام ابو نعیم اصبہانی م ۴۳۰ھ ط بیروت
۳۴۔ الحیاۃ بعد المماۃ۔ مولانا فضل حسین بہاری مکتبہ اثریہ سانگلہ ھل
۳۵۔ حیاۃ الحیوان۔ محمد بن موسیٰ الدمیری م ۸۰۸ھ ط مصر
۳٦۔ در مختار۔ ط کراچی
۳۷۔ سلسلہ احادیث ضعیفہ۔ علامہ ناصر الدین البانی ط المکتب الاسلامی
۳۸۔ السنن۔ امام ابن ماجہ مع تعلیق مفتاح الحاجۃ م ۲۷۳ھ ط سرگودھا
۳۹۔ السنن الکبری۔ امام بیہقی م ۴۵۸ھ ط بیروت
۴۰۔ السنن۔ امام دارمی مع تعلیق السید عبداللہ ھاشم ط ملتان

۴۱۔ السنن۔ امام ابوداؤد م ۲۷۵ھ ط کراچی
۴۲۔ سیراعلام النبلاء۔ امام ذھبی تحقیق شعیب ارنووط ط بیروت
۴۳۔ سیرت نعمان۔ علامہ شبلی نعمانی ط لاہور
۴۴۔ شرح السنہ۔ امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی م ۵۱۶ھ تحقیق شعیب ارنووط و زہیر الشاویش ط بیروت
۴۵۔ شرح عقیدۃ الطحاویہ۔ ابن ابی العز الحنفی م ۷۹۲ھ ط المکتب الاسلامی دمشق
۴۶ شرح فقہ اکبر۔ ملا علی القاری الحنفی م ۱۰۱۴ھ ط کراچی
۴۷۔ شرح فقہ اکبر۔ علامہ ۔ م ۱۰۹۰ھ ط کراچی
۴۸۔ شرح مسند امام اعظم۔ ملا علی القاری الحنفی م ۱۰۱۴ھ ط کراچی
۴۹۔ صحیح بخاری۔ امام محمد بن اسماعیل البخاری م ۲۵۶ھ ط کراچی
۵۰۔ الطبقات الکبریٰ۔ امام محمد بن سعد م ۲۳۰ یا ۲۳۵ھ ط بیروت
۵۱۔ عقیدۃ الطحاویۃ۔ امام طحاوی م ۳۲۱ھ ط الریاض
۵۲۔ عمدۃ الرعایۃ تعلیق علی شرح الوقایہ۔ مولانا عبدالحی الکھنوی م ۱۳۰۴ھ ط کراچی
۵۳۔ الفضل الموھبی۔ احمد رضا خاں بریلوی م ۱۳۴۰ھ تعریب افتخار احمد قادری ط لاہور
۵۴۔ فقہ اکبر مع شرح۔ المنسوب الی ابی حنیفہؒ م ۱۵۰ھ ط کراچی
۵۵۔ الفوائد البھیہ۔ مولانا عبدالحی الکھنوی ۱۳۰۴ھ ط کراچی
۵۶۔ فیض الباری۔ السید انور شاہ الکاشمیری م ۱۳۵۲ھ ط لاہور
۵۷۔ الکاشف۔ الامام الذھبی م ۷۴۸ھ ط دارالکتب العربی بیروت
۵۸۔ الکامل۔ امام ابی احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی م ۳۶۵ھ ط بیروت
۵۹۔ کتاب الاباطیل۔ ابو عبداللہ الجوزقانی م ۵۴۳ھ ط انڈیا

۶۰۔ کتاب الثقات۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی م ۳۵۴ھ ط حیدر آباد دکن
۶۱۔ کتاب الجرح والتعدیل۔ امام عبدالرحمٰن الرازی م ۳۲۷ھ ط بیروت
۶۲۔ کتاب السنہ۔ امام ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن حنبل م ۲۹۰ھ تحقیق محمد بن سعید القحطانی ط دار ابن القیم الامام
۶۳۔ کتاب الضعفاء۔ ابو نعیم اصفہانی م ۴۳۰ھ تحقیق فاروق حماوہ الدار البیضاء المغرب
۶۴۔ کتاب الضعفاء۔ امام بخاری م ۲۵۶ھ ط سانگلہ ھل
۶۵۔ کتاب الضعفاء۔ امام نسائی م ۳۰۳ ملحقہ التاریخ الصغیر بخاری ط سانگلہ ھل
۶۶۔ کتاب الضعفاء الکبیر۔ ابو جعفر العقیلی تحقیق عبدالمعطی القلعجی ط بیروت
۶۷۔ کتاب الضعفاء و المتروکین۔ امام دار قطنی م ۳۸۵ھ تحقیق السید صبحی سامری
۶۸۔ کتاب المجروحین۔ امام ابن حبان م ۳۵۴ھ تحقیق محمد ابراہیم زائد ط حلب
۶۹۔ لسان المیزان۔ ابن حجر م ۸۵۲ ط بیروت
۷۰۔ اللمحات۔ مولانا محمد رئیس ندوی ط بنارس انڈیا
۷۱۔ مبسوط۔ علامہ سرخسی طبع کراچی
۷۲۔ مجموع فتاوی ابن تیمیہ طبع ریاض
۷۳۔ المدخل الی الصحیح۔ امام حاکم م ۴۰۵ تحقیق ربیع بن ھادی ط مؤسسۃ ارسالہ
۷۴۔ مسئلہ الاحتجاج بالشافعی۔ خطیب بغدادی ۴۶۳ھ ط مکتبہ اثریہ سانگلہ ھل
۷۵۔ معرفۃ علوم الحدیث۔ امام حاکم م ۴۰۵ھ ط بیروت
۷۶۔ المغنی فی الضعفاء۔ الحافظ الذھبی تحقیق نور الدین عتر ط دمشق
۷۷۔ مقدمہ انوار الباری ط دیوبند انڈیا
۷۸۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔ علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون م ۸۰۸ھ ط بیروت
۷۹۔ الملل والنحل۔ علامہ عبدالکریم الشہرستانی م ۵۴۸ھ ط ایران

۸۰۔ مناقب امام شافعی۔ امام رازی ط القاهره
۸۱۔ الموضوعات الکبیر۔ ملا علی قاری م ۱۰۱۴ھ مع تذکرۃ الموضوعات ط کراچی
۸۲۔ میزان الاعتدال۔ امام ذھبی م ۷۴۸ھ بتحقیق البجاوی ط سانگلہ هل
۸۳۔ نافع الکبیر۔ مولانا عبدالحی الکھنوی م ۱۳۰۴ھ ط کراچی
۸۴۔ هدایہ۔ برهان الدین المرغینانی م ۵۹۳ھ ط کراچی
۸۵۔ هدی الساری۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ط المدینہ منورۃ۔

ناشر: ادارۃ العلم